قانون

پروفیسر ڈاکٹر

علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی

قانون

پروفیسر ڈاکٹر

علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی

ڈاکٹر آف لیٹرز (آنریری) ڈسٹنگوشڈ سینیئر پروفیسر، سینیئر یونیورسٹی کینیڈا۔ یو ایس۔ اے

شائع کردہ،

دانشگاہِ خانۂ حکمت

ادارۂ عارف

3 اے نور ویلا۔ گارڈن ویسٹ کراچی 3 پاکستان

ISW
LS
Institute for
Spiritual Wisdom
and
Luminous Science

فہرستِ مضامینِ قانونِ کُلّ

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱	دیباچہ	5
۲	قانونِ کُلّ	۱۳
۳	کثرتِ ذکر اور اطمینانِ کُلّی	۲۰
۴	چند اعلیٰ علمی اور عرفانی سوالات	۲۸
۵	پُرحکمت امتحانی سوالات۔ I	۳۶
۶	II	۴۳
۷	حظیرۂ قدس = علمی بہشت	۵۱
۸	کتابِ شرحُ الاخبار	۵۹
۹	حاملانِ عرش کون ہیں؟	۶۳
۱۰	سُورۂ تین کے بارے میں حکمتی سوالات	۶۵
۱۱	اگر آپ سے پُوچھا جائے	۶۷
۱۲	تاویل کے مترادفات اور مقامات	۷۵
۱۳	نامۂ اعمال کا علمی پہلو	۸۳
۱۴	دعائے ابراہیم علیہ السّلام	۹۱

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱۵	لفظِ اُمّت کی حکمت	۹۳
۱۶	سُورۂ اِنشقاق کی حکمتیں	۹۵
۱۷	گلہائے خوشرنگ وخوشبو	۹۸
۱۸	روحانی سائنس اور خلیّات	۱۰۲
۱۹	روحانی سائنس کی نعمتیں	۱۰۶
۲۰	قرآنی سائنس اور ہر چیز کی روح	۱۱۳
۲۱	گنجِ قرآن نورِ عرفان	۱۲۱
۲۲	یک حقیقت کا خزانہ	۱۲۸
۲۳	حکیم پیر ناصرِ خسرو ق س روشنائی نامہ میں فرماتے ہیں	۱۳۵
۲۴	اِطاعت کا سب سے بڑا انعام	۱۳۹
۲۵	دُرُودِ شریف کی عظیم حکمت	۱۴۳
۲۶	اسلام میں سعی وسبقت کی اہمیّت	۱۵۰
۲۷	موت قبل از موت یا حساب قبل از حساب	۱۵۶
۲۸	روحانیّتِ قرآن اور معجزۂ لسان	۱۶۳
۲۹	قرآن اور رسولؐ کی قوم	۱۷۱
۳۰	مَناقبِ علیؑ تِرمذی میں	۱۷۵
۳۱	حظیرۂ قدس کے اشارے	۱۸۳

دیباچہ

۱۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو خدا نے تمہارے قابو میں کر دیا ہے، اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں، اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ خدا کے بارے میں جھگڑتے ہیں نہ علم رکھتے ہیں نہ ہدایت اور نہ کتابِ روشن (سورۂ لقمان ۳۱: ۲۰)۔

اَلَمْ تَرَوْا = کیا تم نے نہیں دیکھا؟ قرآنِ حکیم کا یہ خطاب یقیناً اہلِ معرفت سے ہے کہ یہی حضرات فنا فی اللہ کے بعد کائنات کو اپنے لئے مسخر دیکھتے ہیں، کیونکہ ایسے میں خدا عارف کا ہاتھ ہو جاتا ہے، جس سے یہ کائنات کو لپیٹتا اور پھر پھیلاتا ہے، یعنی وہ اس کائنات کو فنا کر کے ایک اور کائنات کو پیدا کرتا ہے (حدیثِ قدسی: اجعلک مثلی، حدیثِ نوافل)۔

۲۔ اس آیۂ کریمہ کی تعلیم میں علم و حکمت کا سارا جہان سمٹا ہوا ہے، اور یہ خداوندِ علیم و حکیم کی شانِ قدرت ہے، کہ اس کی ہر

آیۂ شریفہ ایک صحیفۂ سماوی ہے، جس کے اسرارِ حکمت کو صرف اہلِ بصیرت دیکھ سکتے ہیں، چنانچہ تسخیرِ کائنات جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، اور تمام ظاہری و باطنی نعمتوں کا خداوندی انعام، انتہائی جامع الجوامع مضمون ہے، جس کی کوئی تفسیر لکھنے کے لئے ایک طویل عمر بھی کم ہے، مگر یہاں ایک بہت ہی ضروری اور مختصر سوال یہ ہے کہ ہم سب سے پہلے قرآنِ پاک کی نعمتوں کو جاننا اپنا فرض سمجھتے ہیں، قرآنِ مقدس کی ظاہری نعمتیں کیا ہیں؟ اور باطنی نعمتیں کیا ہیں؟

۳۔ جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ..... (ہزار حکمت، لفظِ تاویل ۲۱ دفعہ) ظاہر سے مراد تنزیل ہے اور باطن کا مطلب تاویل، پس قرآن کی ظاہری نعمتیں تنزیل میں ہیں، اور باطنی نعمتیں تاویل میں، قرآنی حکمت آشکار نہیں، بلکہ پنہاں ہے، اس لئے یہ تاویل ہی ہے، چنانچہ حکمت کی جس شان سے تعریف فرمائی گئی ہے، وہ تاویل کی تعریف ہے، اسرارِ قرآن سب کے سب باطنی نعمتیں ہیں، اور وہ تاویلات ہیں، سورۂ یوسف کی آیتِ ششم (۱۲/۶) میں ذرا غور سے دیکھئے کہ تاویل خدا کی نعمت ہے، اگر کسی مومن پر روحانی قیامت گزرتی ہے، تو اس واقعۂ عظیم کی ساری باتیں بلکہ تمام چیزیں تاویل کہلاتی ہیں، جو باطنی نعمتیں ہیں۔

۴۔ آپ نے آیۂ کریمہ کے آخری حصے میں بھی خوب غور کیا ہوگا،

وہ یہ ہے: اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ خدا کے بارے میں جھگڑتے ہیں (حالانکہ) نہ علم رکھتے ہیں نہ ہدایت اور نہ کتابِ روشن (۳۱/۲۰) یہاں علم سے علم الیقین مراد ہے، ہدایت عین الیقین کا نام ہے، اور کتابِ منیر حق الیقین ہے، انہی درجات میں معرفت ہوتی ہے، جس کے بغیر اللہ کے بارے میں اگر کوئی شخص بحث کرتا ہے تو وہ گویا ایک جھگڑا ہے علم و معرفت ہرگز نہیں۔

۵، قرآنِ حکیم سرتاسر اسرارِ علم و حکمت سے مملو ہے، ان اسرار میں سب سے بڑا سِر (بھید) اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ہے (۲/۲۵۵، ۳/۲، ۲۰/۱۱۱) انتہائی حیرت کی بات ہے کہ یہ راز سب کے سامنے عیاں ہے پھر بھی نہاں ہی ہے، اور یہی راز حوامیم (حٰمٓ کی جمع) میں بھی ہے، اور حٰمٓ سات سورتوں کے آغاز میں ہے، جیسے سُورۂ دخان (۴۴/۱-۳) میں ہے: حٰمٓ۔ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ: قسم ہے اَلْحَیُّ الْقَیُّوْم کی اور قسم ہے کتابِ مُبین کی کہ ہم نے اس (یعنی قائم) کو ایک بابرکت رات (یعنی حجت) میں نازل کیا ہے۔

ح = الحیّ، م = القیّوم، یعنی خدا کے دو بزرگ نام بصورتِ دو بزرگ امام، جن کا تعلق ساتویں قیامت سے ہے، وہ الحیّ القیّوم کی طرح دو بھی ہیں، اور حٰمٓ کی طرح ایک بھی، ان کی عددی تاویل یہ ہے: ح = ۸، م = ۴۰، جمع: ۴۸، الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین۔

۶، سُورۂ شوریٰ (۴۲/۱-۲) میں ہے: حٰمٓ۔ عٓسٓقٓ = الحیّ القیّوم

کی قسم اور مقدّس، عشق کی قسم۔ چونکہ قرآنِ حکیم سات حرفوں پر نازل ہوا ہے، لہٰذا یہاں عسق میں حرفِ سین کو شین پڑھنا بھی درست ہے، خدائے بزرگ و برتر، رسولِ کریمؐ، اور ائمۂ طاہرینؑ کا مقدّس عشق بیحد گران قدر ہونے کی وجہ سے بطورِ خزانہ مخفی رکھا گیا ہے، جس کو صرف عُشّاق ہی تلاش کر کے حاصل کر لیتے ہیں، راہِ دین میں ترقی کی خواہش تقریباً سب کو ہے، اور بہت سے لوگ کوشش بھی کرتے رہتے ہیں لیکن مختلف وجوہ سے عشق حاصل نہیں ہوتا ہے، بنابریں ناکامی ہوتی ہے۔

۷۔ نظریات میں اختلاف ہوتا رہتا ہے، اس کی کوئی بات نہیں لیکن بہت ہی ضروری سوال یہ ہے کہ عشق کے نام سے انسان میں ایک زبردست صلاحیت یا قوّت موجود ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر آپ کہتے ہیں کہ ہاں ہوتی ہے، تو میں دوسرا سوال کروں گا کہ عشق کی قوّت انسان میں کس مقصد کے پیشِ نظر پیدا کی گئی ہے؟ میرا خیال ہے کہ یہاں آپ کو ٹھیک سوچ کر کچھ کہنا پڑے گا، میں تو یہ کہوں گا کہ قوّتِ عشق دنیا کے لئے نہیں، بلکہ دین کے لئے ہے۔

۸۔ قرآنی ارشاد ہے کہ قیامت اچانک (ناگاہ، ناگہان) یعنی لوگوں کی بے خبری اور غیر شعوری میں آنے والی ہے ($\frac{۴۳}{۶۶}$، $\frac{۴۷}{۱۸}$) اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ایک باطنی اور روحانی واقعہ ہے، بَغْتَةً

کا ترجمہ "اچانک" ہے، بَغۡتَۃً بمقابلہ جَھۡرَۃً بھی آیا ہے (۶/۴۷) آپ ان حوالہ جات میں غور کریں، قیامت یقیناً باطنی اور روحانی ہے، وہ انتہائی عظیم واقعات کا مجموعہ ہے، ہر چند کہ لوگوں کو آزمانے کی غرض سے قرآنِ حکیم نے واقعاتِ قیامت کو الگ الگ بیان فرمایا ہے، وقوعِ قیامت کے بغیر عالمِ شخصی کے کچھ معنی نہیں ہیں، خودشناسی اور خداشناسی واقعۂ قیامت ہی کے خزانوں میں پوشیدہ ہے، اور روحانی قیامت ہی سے قدر دانوں کو علم الیقین کے تازہ بتازہ تحائف ملتے رہتے ہیں۔

۹۔ **کتاب کی وجہِ تسمیہ:** اس کتاب کا پسندیدہ نام "قانونِ کُل" ہے، جس کی خاص وجہ یہ نہیں کہ اس کتاب کے تمام تر مضامین میں قانونِ کُل کا براہِ راست بیان ہے، ایسا تو نہیں، لیکن میں اُمید رکھتا ہوں کہ اِنشاء اللہ، ہماری علمی خدمت کی ہر ناچیز کوشش قرآنی قانونِ کُل کی روشنی میں کی گئی ہوگی، جب ہم یہ مانتے آئے ہیں کہ خدا کائناتِ علمی کو لپیٹتا بھی ہے اور پھیلاتا بھی ہے، چونکہ خود کلامِ الٰہی ایک علمی کائنات ہے، لہٰذا قادرِ مطلق قرآن کو ہر کُلیہ میں سمیٹتا ہے اور پھیلاتا ہے، اس کا عظیم تر مقصد یہ ہے کہ قرآنی علم و حکمت کی اِس یکجائی سے اہلِ ایمان بآسانی استفادہ کرسکیں، جیسے سورۂ قمر (۵۴/۱۷) میں ہے: اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ساتھ ساتھ

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

اپنی طرف سے ایک زندہ نور بھی نازل کیا، جس کی وجہ سے نہ صرف قرآن فہمی آسان ہوگئی، بلکہ قرآن کی روح در وحانیّت تک رسائی اور معرفت بھی ممکن ہوگئی، اور یہی سبب ہے کہ یہاں ہر کلّیہ میں قرآن مرکوز ہونے کی بات ہو رہی ہے۔

۱۰۔ **جدید انتساب:** میں آج بھرپور شادمانی کے ساتھ اٹلانٹا کے اپنے عزیزوں کا ذکرِ جمیل کرنا چاہتا ہوں کہ کس طرح ذکر و مناجات اور علم میں ان کی ترقّی ہو رہی ہے، کس خوبی سے وہ اپنے فرائض کو انجام دے رہے ہیں، ان کی عاجزی، نرم دلی، خوش خلقی، دینداری، گریہ وزاری، شب خیزی، اخلاص، مولا کے لئے محبّت، علمی خدمت کا جذبہ، اور دیگر بہت سی خوبیاں قابلِ تعریف ہیں، میں ان کی اچھّی اچھّی عادات کے بارے میں سنتا رہتا ہوں، وہ صفِ اوّل کے مومنین میں سے ہیں کتنی بڑی نیک بختی ہے کہ وہ پاک مولا کے عشق میں آنسو بہاتے ہیں، ان شاء اللہ، ان سب کی روحانی اور علمی ترقی ہو رہی ہے، وہ اب میری کتابوں سے بہت دلچسپی رکھتے ہیں، لہٰذا میں ان کو اور دوسرے تمام شاگردوں کو بیحد عزیز رکھتا ہوں، یہ پیاری پیاری کتابیں دراصل میری نہیں ہیں میرے بیحد محبوب جانان کی ہیں، یہ بات سچ اور حقیقت ہے، کیونکہ یہ کتابیں اگر میری ہوتیں تو اُس وقت بھی موجود ہوتیں، جبکہ میں ہنوز جانان میں فنا نہیں ہوا تھا، پھر یہ کتنا بڑا

امتحان ہے کہ کہا جاتا ہے کہ یہ نصیر الدّین کی کتابیں ہیں۔

۱۱۔ میرے بہت ہی عزیز لائف گورنر غلام مصطفٰی مومن سیکریٹری اور بہت ہی عزیز لائف گورنر موکھی نزار علی، علی بھائی کوآرڈینیٹر، ان دونوں عملداروں کے ساتھ گفتگو ہوئی تھی، اور اب ان کی طرف سے یہ خوش آئند مشورہ بھی آیا ہے کہ میں اٹلانٹا کے دو خوش نصیب خاندانوں کے اسمائے گرامی کو دانشگاہِ خانۂ حکمت کی تاریخ میں درج کروں، وہ پیارے پیارے نام حسبِ ذیل ہیں۔

پہلی فیملی: لائف گورنر سُلطان علی لاڈجی، تاریخِ پیدائش: ۲۰، فروری ۱۹۵۸ء۔ شوکت بانو لاڈجی، وائف، ۹، اپریل ۱۹۵۹ء۔

عظیم سلطان علی، بیٹا، ۴، مارچ ۱۹۹۲ء۔

دوسری فیملی: نصیر الدین خان جی، تاریخِ پیدائش: ۱۸، اپریل ۱۹۶۰ء۔

خیر النساء خان جی، وائف، ۲۰، اپریل ۱۹۶۶ء۔

حنا خان جی، بیٹی، ۸، اپریل ۱۹۹۱ء۔

کاشف خان جی، بیٹا، ۲۴، مارچ ۱۹۹۲ء۔

کومل خان جی، بیٹی، ۳۰، اپریل ۱۹۹۴ء۔

۱۲۔ میں صبح نورانی وقت کی بندگی کے بعد اپنے جملہ عزیزان کے حق میں بڑی عاجزی سے دُعا کرتا ہوں، میری ہستی میں جتنے کروڑ سیلز (خلیات) ہیں، میری روح کے جس کثرت سے بھی ذرّات ہیں، اور ہمارے ایک ہوشمند شاگرد مسٹر عظیم علی، وزیر علی

لاکھانی کی ریسرچ کے مطابق ہماری اور جنیل کتابوں کے دس ہزار سے زیادہ صفحات ہیں، یہ ساری چیزیں دعا کرتی رہتی ہیں ان شاء اللہ، یہ تمام دُعائیں قبول ہو جائیں گی، اور خداوندِ قدوس کے خزائنِ رحمت سے فیوض و برکات کی روح پرور بارش برستی رہے گی۔
آمین! یاربّ العالمین!!

نصیر الدّین نصیر (حُبِّ علی) ھونزائی
مارگلہ ٹاورز۔ اسلام آباد
منگل ۲۳، ذُوالحجہ ۱۴۱۸ھ ۲۱، اپریل ۱۹۹۸ء

قانونِ کُلّ

۱۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ بِاَسْمَائِکَ الْحُسْنٰی (۷/۱۸۰، ۱۷/۱۱۰، ۲۰/۸، ۵۹/۲۴)

اے اللہ! میں تجھ سے بھیک مانگتا ہوں تیرے اسمائے الحسنیٰ کی حرمت سے۔ جن کا ذکرِ جمیل قرآن و حدیث اور ارشاداتِ أئمّہ علیہم السلام میں موجود ہے، یا اللہ! یہ بندۂ زار و ضعیف و ناتوان جو ازبس نادان و نالائق ہے وہ تجھ سے ہمّت و توفیق کے لئے گریہ کُنان درخواست کرتا ہے، اے مالک اے میرے آقا! یہ تیرا غلامِ کمترین اب نہ جانے کیوں بار بار "یا طبیبی یا طبیبی" کہتا رہتا ہے! اے حکیمِ آسمانی اے طبیبِ روحانی! ہم مریضانِ ظاہر و باطن کو سوز و سازِ عشق سے علاج کر، ہمیں ایسی پُرحکمت گریہ و زاری عطا فرما، جو تیرے پاک دیدار اور تیری خوشنودی کی غرض سے ہو، یا ربّ العزّت! تیرے نور سے زمینِ باطن اور زمینِ ظاہر کب منوّر ہو جائے گی (۳۹/۶۹)؟

۲۔ اے رفیقان و عزیزان! علم کو بیان کرنے سے قبل میں

اپنے آپ کی نفی کرتا ہوں کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں، میں خاکِ پائے اہلِ ایمان کے برابر بھی نہیں ہوں، لیکن جو نعمتِ عظمیٰ عنایت ہوئی ہے۔ اس سے میں ہرگز ہرگز انکار نہیں کر سکتا ہوں، کیونکہ علمی گواہی کو چھپانا بہت بڑا ظلم ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: (۲/۱۴۰) وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ۔ اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے جو اپنے پاس موجود خدائی شہادت کو چھپائے۔ پس اے دوستانِ عزیز! آیئے ہم مل کر قانونِ کُلّ کی کچھ باتیں کریں تاکہ اس سے رفتہ رفتہ سب کو فائدہ حاصل ہو، آمین!

۳۔ قانونِ کُلّ سے اصلاً سُنّتِ الٰہی مُراد ہے، جس کی ترجمانی وتفصیل نورِ مُنَزّل اور کتابِ مُبین میں ہے، اور ان دونوں سرچشموں کا خلاصۂ مطلب بعض ایسی آیاتِ کریمہ میں ہے، جن کی معنویّت و حکمت میں ہمہ رسی و ہمہ گیری ہوتی ہے، لہٰذا ہم نے اِس نوع کی آیاتِ مبارکہ کے مجموعے کو قانونِ کُلّ کہا، کیونکہ ایسے ارشادات میں اکثر لفظِ "کُلّ" آتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا۔ نیز لوگوں نے جیسے کام کیے ہوں گے انہی کے مطابق سب کے درجے ہوں گے (۴۶/۱۹)، اس کُلیّہ سے یہ معلوم ہوا کہ بہشت میں لوگوں کے الگ الگ درجات ہوتے ہیں۔

۴۔ ہر ایسی آیۂ شریفہ بھی قانونِ کُلّ میں سے ہے۔ جو وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ کے الفاظ کے ساتھ ہے (۱۵/۲۱، ۱۷/۴۴)، اگر ارض و سما سے متعلق

کوئی تذکرہ ہے تو یہ بھی قانونِ کُلّ ہی کا ذکر ہے، کیونکہ آسمان و زمین میں کُلّ پھیلائی ہوئی چیزیں موجود ہیں، اب شاید یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ قانونِ کُلّ کے جاننے سے کیا کیا فائدے ہو سکتے ہیں؟ اس کا جواب یوں ہے کہ دنیا میں کوئی ایسی طاقت نہیں جو سچ مچ کوزے میں دریا کو بند کر سکے، لیکن اس کے برعکس خداوند تعالیٰ وہ قادرِ مطلق ہے جو اپنے علم کے بحرِ محیط کو کوزۂ قانونِ کُلّ میں بند کر کے دکھاتا ہے، یہ کام کائنات کو اپنے مبارک ہاتھ میں لپیٹنے سے مختلف نہیں، پس قرآن کے ہر کُلّیہ (قانونِ کُلّ) میں بے شمار فائدے ہیں۔

۵۔ بعض لوگوں کے ذہن میں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ قرآن میں ان بیشمار چیزوں کا کوئی تذکرہ کیوں نہیں ہے جو آج کی دنیا میں بڑی اہمیّت کے ساتھ موجود ہیں؟ میں کہتا ہوں کہ ہر چیز کا ذکر سب سے پہلے قانونِ کُلّ میں موجود ہے، جیسے سورۂ نحل (۸۹/۱۶) میں ارشاد ہے: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ اور یہ ایسی کتاب (قرآن) ہم نے تم پر اُتاری ہے جو تمام چیزوں کا بیان کرنے والی ہے۔ اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ قرآنِ عزیز کئی طریقوں سے کُلّ اشیاء کو بیان کرتا ہے، اور کوئی چیز اس کے احاطۂ بیان سے باہر نہیں ہے، کیونکہ قرآن کا ایک ظاہر ہے، اور ایک باطن، اور باطن در باطن کا سلسلہ سات یا ستّر تک جاتا ہے، اور قرآن کے تمام بواطن عالمِ شخصی میں ہوتے ہیں، اور عالمِ شخصی کائنات کی حدود

تک پھیل جاتا ہے، دریں صورت قرآن کا باطن بھی ساری کائنات پر محیط ہو جاتا ہے، پھر یقین کریں کہ قرآنِ حکیم کی گہرائی اور گیرائی میں اشیائے کائنات مُستغرق ہیں، پس کتابِ الٰہی کے ظاہر و باطن اور کُلّیات (قانونِ کُلّ) کے بیان سے باہر کوئی چیز کس طرح ہو سکتی ہے۔

۶۔ آج مادی سائنس کی انقلابی ترقّی کے ساتھ ساتھ دنیا میں جتنی نت نئی اور عجیب و غریب چیزیں ایجاد ہوئی ہیں، ان سب کا حکیمانہ تذکرہ قرآنِ عظیم کے بہت سے ارشادات میں آیا ہے، خاص کر ایسی آیاتِ مبارکہ میں، جن کو ہم قانونِ کُلّ کہتے ہیں، جیسے یہ ارشاد ہے: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (۱۵/۲۱) اور کوئی شی ایسی نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں اور ہم ہر شی کو ایک معلوم مقدار میں نازل کرتے ہیں۔ اس کُلّیہ کی تعلیم اس طرح سے ہے کہ خدا کی نظر میں کوئی نئی چیز نہیں ہے، جبکہ تمام اشیائے مُمکنہ اس کے خزانوں میں ہمیشہ موجود ہیں، یہاں یہ نکتۂ دلپذیر بھی یاد رہے کہ اس جہان میں اللہ کے دو نمائندہ اور رہنما خزانے ہیں، وہ نورِ مُنزّل اور کتابِ مبین ہے (۵/۱۵) جب آپ مرتبۂ عین الیقین پر فائز ہو جائیں گے تو خدا کی قسم! اس وقت آپ اپنے عالمِ شخصی ہی میں نور (امامؑ) اور کتاب (قرآن) کے معجزۂ واحدیّت کو دیکھیں گے، اور دوسرے خزائن بھی وہیں ملیں

سے گے، اب آپ ہی کچھ بتائیں کہ یہ دونوں نمائندہ اور رہنما خزانے کیسے ہیں؟ کیا ان میں صرف اشیائے ممکنہ کا ظاہری بیان ہے یا ہر چیز کا عرفانی مشاہدہ بھی ہے؟

۷۔ سورۂ یاسین کی تعریف میں یہ حدیثِ شریف مشہور ہے: اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ قَلْبًا وَّ قَلْبُ الْقُرْاٰنِ یٰسٓ = ہر چیز کا دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل سورۂ یٰسٓ ہے۔ یہ ایک بہت بڑا راز بھی ہے اور امتحان بھی، انسان کا دل تین معنوں میں ہوتا ہے: قلبِ جسمانی قلبِ روحانی اور قلبِ عقلانی، قرآن کا دل اس کا نور ہے (۵/۱۵)، قرآن کا دل سورۂ یٰسٓ اس وجہ سے ہے کہ اس میں امامِ مبین کا عظیم کُلّیہ مذکورہ ہے، جیساکہ ارشاد ہے: وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰہُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ (۳۶/۱۲)، اور ہم نے تمام اشیائے لطیف کو امامِ مبین میں گھیر کر رکھا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سارے خزانے امامِ مبین میں جمع ہیں۔

۸۔ فنا کی ترتیب یہ ہے: فنا فی الامامؑ، فنا فی الرّسولؐ، فنا فی اللہ، کیونکہ خدا تک جانے کا حقیقی راستہ یہی ہے، حالانکہ سب سے بڑی چیز قرآن ہے، پھر بھی فنا فی القرآن کی اصطلاح کہیں نہیں ملتی ہے، آیا اس میں کوئی ناشکری ہو سکتی ہے؟ نہیں نہیں، جب ہم امامِ زمانؑ میں فنا ہو جائیں گے تو اسی میں ہم کو دیگر خزانوں کے ساتھ گنجِ قرآن بھی ملے گا، کیونکہ امام قرآن میں بھی ہے

اور قرآن امام میں بھی ہے جبکہ امام علیہ السّلام ہی لوحِ محفوظ ہے جیسا کہ مولا علی علیہ السّلام کا ارشاد ہے: اَنَا اللَّوحُ الْمَحْفُوظُ ۔ یعنی میں ہی لوحِ محفوظ ہوں (کوکبِ دُرّی) اور سورۂ بروج میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۔ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ($\frac{85}{21-22}$) بلکہ وہ باعظمت قرآن ہے جو لوحِ محفوظ میں موجود ہے۔ اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ عالمِ علوی میں نُورِ محمدؐ ہی قلمِ اعلیٰ ہے اور نورِ علیؑ لوحِ محفوظ ، اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ ۔

۹۔ اے عزیزِ من! آپ کو یہ تو معلوم ہے کہ ایک آیت کی تفسیر دوسری آیت سے ہوتی ہے، لہٰذا آیئے ہم اعظم الآیات (آیۃ الکرسی) کو دیکھتے ہیں، جس میں کُلّیۂ امام ($\frac{36}{12}$) سے متعلّق سب سے اعلیٰ اور لاجواب تفسیر ہے، جس کو مولائے پاک کا ہر عاشق، ہمیشہ عشق و محبّت سے یاد کرتا رہے گا، وہ عظیم اور پُراز حکمت کلمات یہ ہیں: وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ($\frac{2}{255}$) اس کی کُرسی نے سب آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے۔ یہ کُلّیۂ امامِ مُبین ($\frac{36}{12}$) کی سب سے عظیم الشان تفسیر ہے، کیونکہ حقیقت یوں ہے: کُرسی = نفسِ کُلی = لوحِ محفوظ = امامِ مُبین، حضرتِ امامِ اقدس و اطہر علیہ السّلام بظاہر اس دنیا میں ہے، بباطن عالمِ علوی میں، جہاں اس کا مرتبہ ہے: وجہُ اللہ (صورتِ رحمان)، اس کی انتہائی پاک چہرے سے نور الانوار کا خورشیدِ تابان ہمیشہ طلوع و غروب ہوتا رہتا ہے۔

۱۰۔ اس خورشید میں تمام حقائق و معارف جمع ہیں، من جملہ یہ لپیٹی ہوئی کائنات بھی ہے، چنانچہ جب یہ آفتابِ نورِ اقدس صورتِ رحمان (کُرسی)، میں غروب ہو جاتا ہے، تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ: خدا کی کُرسی نے سب آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے ($\frac{2}{255}$) نیز اس کے معنی ہیں: اور ہم نے تمام اشیائے لطیف (جوہرِ کائنات)، کو امامِ مبین میں گھیر کر رکھا ہے ($\frac{36}{12}$)۔

۱۱۔ "منزّہ مالکُ الملکی کہ بے پایان حشر دارد" کے مطابق قیامت باطنی طور پر، ہمیشہ جاری و ساری ہے، اور اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ، ہر مخفی قیامت میں صرف علم و حکمت کے آسمانوں اور زمین کو لپیٹتا ہے، نہ کہ مادّی کائنات کو، جیسے سُورۂ انبیاء ($\frac{21}{104}$) میں اس کا واضح اشارہ موجود ہے کہ قیامت میں ارض و سما کو لپیٹنا اس طرح ہے جس طرح خطوط یا (چھاپ شدہ)، کتابوں کے کاغذ کو فولڈ کیا جاتا ہے (کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ)، اس سے معلوم ہوا کہ خداوندِ عالم اپنے بے پایان علم کے سمندر کو کُوزۂ قانونِ کُل میں بند کرتا ہے، یا یہ کہ وہ پاک اپنے جملہ اسرارِ معرفت کا سب سے عظیم خزانہ بنا دیتا ہے، تاکہ جس سے اپنے بندوں کو بدرجۂ انتہا نوازے اور، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مالا مال فرمائے، الحمدللہ۔

نصیر الدّین نصیر (حُبِّ علی)، ہونزائی۔ کراچی

بدھ ۱۸، ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ ۱۸، مارچ ۱۹۹۸ء

کثرتِ ذکر اور اطمینانِ کُلّی

۱۔ سورۂ رعد میں حق سُبحانہٗ و تعالیٰ کا ارشادِ مُبارک ہے:
الا بذکر اللّٰہِ تطمئنُّ القلوب (۱۳/۲۸) یاد رکھو کہ ذکرِ خدا ہی سے قلوب مطمئن ہو جاتے ہیں۔ یعنی حضرتِ ربُّ العزّت کو بکثرت اور ہمیشہ ہمیشہ یاد کرنے سے اہلِ ایمان کو اطمینانِ کُلّی کی دولتِ لازوال نصیب ہو جاتی ہے، اور اس حقیقت میں کوئی شک ہی نہیں کہ ذکرِ الٰہی اسمائُ الحُسنیٰ ہی سے کیا جاتا ہے، اور وہ بڑی کثرت سے کرنا ضروری ہے، جیسا کہ قرآنِ حکیم میں اس کا حکم موجود ہے، تاکہ ذاکرین کو اطمینانِ کُلّی حاصل ہو، جس سے ہر قسم کا قلبی سکون مُراد ہے۔

۲۔ آیۂ مذکورۂ بالا کے حقیقی اور اوّلین مصداق تو انبیا و اولیا علیہم السلام ہی ہیں کہ انہی حضرات کو اللہ تعالیٰ ذکرِ کثیر کی نعمتِ عظمیٰ عطا فرماتا ہے، اور جبینی درجے کے اطمینان بخش معجزات سے نوازتا رہتا ہے، تاہم اس کی رحمت میں بے پایاں وُسعت ہے

لہٰذا ان قدسیوں کے پیچھے پیچھے راہِ مستقیم پر چلنے والوں کو بھی اسی طرح نوازتا ہے، پس ہمیشہ خدا کی یاد میں مصروف رہنے والے مومنین و مومنات کے لئے تمام قرآن میں بشارت ہی بشارت ہے، آپ دیکھیں اور جملہ شرائط کو خوب غور سے پڑھیں۔

۳۔ جب خداوندِ قدّوس اپنے پاک عشق اور پُرنور ذکر سے کسی بندے کے قلب کو منوّر اور مطمئن کر دینا چاہتا ہے تو ایسے شخص کو دائمی ذکر و عبادت کی توفیق و ہمّت عنایت فرماتا ہے تاکہ وہ علم و عبادت کی مسلسل ریاضت سے رفتہ رفتہ اپنے نفسِ امّارہ کو نفسِ لوّامہ بنائے، اور نفسِ لوّامہ کو بالآخر نفسِ مطمئنّہ کے درجے پر لائے، ان شاء اللہ تعالیٰ، اور مومن کی سب سے بڑی کامیابی یہی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:-

تُو اے سکون و اطمینان یافتہ نفس! اپنے ربّ کی طرف پلٹ جا، اس حالت میں کہ تو اُس سے راضی ہے اور وہ بھی تجھ سے راضی ہے، پس میرے خاص بندوں (کی وحدت) میں شامل ہو جا اور میری جنّت میں داخل ہو جا (سورۂ فجر ۸۹/۲۷-۳۰)

یہ عظیم الشان ارشاد یقیناً عارفین و کاملین کے بارے میں ہے جو زندگی ہی میں کثرتِ ذکر اور حقیقی علم سے فنا فی اللہ ہو کر گنجِ مخفی حاصل کر لیتے ہیں، پس ذکرِ خدا سے دلوں کو اطمینانِ کُلّی حاصل ہونے کے معنی یہی ہیں۔

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

۴۔ یہ ایک آفاقی حقیقت ہے اور اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ قرآنِ حکیم سراسر حکمتِ بالغہ ہے، یعنی اس کے ہر مضمون، ہر بیان، ہر مثال، اور ہر آیت میں ایسی عجیب و غریب، عظیم، اور مضبوط حکمتیں ہیں کہ ان میں سے ہر ایک حکمت نورانی رسّی کی وحدت میں نازل کی گئی ہے تاکہ آپ جب جب علم و معرفت کی روشنی میں کسی بھی حکمت کی رسّی سے مُنسلک ہو جائیں گے تو وہ آپ کو معجزانہ طور پر فوراً ہی حظیرۂ قُدُس میں پہنچا دے، پس حکمتِ بالغہ کی یہ ایک مثال ہے۔

۵۔ یہ بالکل سچ اور حقیقت ہے کہ اہلِ ایمان کے قلوب دُنیا میں کسی طرح سے بھی مُطمئن نہیں ہوتے مگر یادِ الٰہی سے، جس میں علم و معرفت کا انتہائی عظیم راز ہے، جس کا بیان ہو چکا، ہاں یہ درست ہے کہ ذکرِ خدا سے جو اطمینان ملتا ہے، وہ آسمان تک ایک سیڑھی کی طرح ہے، جو زینہ بزینہ اور درجہ بدرجہ چڑھنے کے لئے ہے، اور ہاں اللہ تعالیٰ کی پاک یاد بھی حکمتِ بالغہ (خدا تک پہنچا دینے والی حکمت) ہے، لہٰذا اسمِ اعظم اور اس کا ذکر بھی آسمانی رسّی اور سیڑھی ہے تاکہ ہر نیک بخت آدمی کثرتِ ذکر اور اعلیٰ علم کے اِس وسیلے سے عالمِ علوی کی طرف لوٹ سکے۔

۶۔ جیسا کہ آپ اِس ارشادِ نبوی سے باخبر ہیں کہ ہر شخص کے دل کے پاس دو ساتھی ہیں، ایک جِنّ اور ایک فرشتہ، وہ اگر

خدا کو بھول جاتا ہے تو جن (شیطان)، پریشان کن وسوسوں کا سلسلہ شروع کرتا ہے، اور اگر کوئی باسعادت مومن دائم الذّکر ہو جاتا ہے تو فرشتہ نہ صرف ذکر ہی میں ہم آہنگی کرتا ہے بلکہ ساتھ ہی ساتھ خدا کے حکم سے نیک توفیق، ھدایت، اور القائے علم کا کام بھی کرتا رہتا ہے، یقیناً یہ روحانی ترقّی کا اعلیٰ مقام ہے، پس آپ بصد عاجزی گریہ وزاری کرتے کرتے دائم الذّکر ہو جائیں، اس سے آپ کو دین و دُنیا میں بے شمار فائدے ملیں گے۔

۷، قلب کے دراصل تین درجے ہیں: جسمانی، روحانی، اور عقلانی، چنانچہ خدا کی مبارک یاد میں گوناگون برکتیں ہیں، اور اس میں ہر قسم کی شفا بھی ہے، لہٰذا یہاں یہ حقیقت روشن ہوگئی کہ ذکرِ الٰہی جسم وجان اور عقل کے لئے باعثِ صحت وسلامتی اور وسیلۂ سکون و اطمینان ہے، پس ہر مومن کی دانشمندی اسی میں ہے کہ وہ دائم الذّکر ہو جائے تاکہ جن (شیطان) مغلوب و مایوس ہو جائے، اور فرشتہ بھرپور مدد کر سکے۔

۸، قرآنِ حکیم کا یہ ایک بہت بڑا حکمت آگین اور گنج بخش ارشاد ہے: جن لوگوں نے (دل سے) کہا ہمارا ربّ اللہ ہے، پھر اس پر (بحقیقت) قائم ہو گئے، تو ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ نہ ڈرو، نہ ہی غم کرو اور تمہیں اس بہشت کی خوشخبری ہو

جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم تمہاری اس دُنیوی زندگی میں بھی تمہارے یار و مددگار ہیں اور آخرت میں بھی اور تمہارے لئے بہشت میں وہ سب کچھ فراہم ہے جو تم چاہو گے، اور جو کچھ تم طلب کرو گے تمہیں دیا جائے گا (۴۱: ۳۰-۳۱)۔

"دل سے کہنا ہمارا ربّ اللہ ہے" یہ ذکرِ کثیر کی طرف اشارہ ہے۔ "پھر اس پر بحقیقت قائم ہونا، یعنی کھڑا ہو جانا" ان کاملین کی ذاتی قیامت ہی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں تاکہ علم و معرفت کے طریق میں مدد کریں۔

۹۔ الا بذکر اللّٰہِ تطمئنُّ القلوب (۱۳/۲۸) یاد رکھو کہ ذکرِ خدا ہی سے قلوب مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اس آیۂ شریفہ میں آخری اور کُلّی درجے کے اطمینان کا بیان ہے، جو اولیاء اللہ اور کاملین کو نصیب ہوتا ہے، اور وہ یقیناً دُنیوی زندگی ہی میں انفرادی قیامت کے بعد ہے، کیونکہ جب تک کوئی بندۂ مومن یوم الحساب سے فارغ نہ ہو تو وہ بحقیقت مطمئن نہیں ہو سکتا ہے لیکن دوستانِ خدا کی شان میں جیسا کہ ارشاد ہوا ہے، اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف وہی حضرات کُلّی طور پر مطمئن ہوتے ہیں، جیسے سُورۃ یونس (۱۰/۶۲) میں اللہ کا فرمان ہے: الآ اِنّ اولیاءَ اللّٰہ لا خوفٌ علیھم ولا ھُم یحزنون۔ آگاہ رہو کہ اللہ کے دوستانِ خاص پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی انہیں کوئی

حُزن و غم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہُوا کہ یہ صاحبانِ نفسِ مطمئنّہ ہو کر ابھی سے حظیرۂ قدس کی بہشت میں داخل ہو چکے ہیں (۸۹/۲۷-۳۰)۔

۱۔ کثرتِ ذکر میں شیطان بار بار رکاوٹ ڈال سکتا ہے، اس لئے حقیقی علم اور عشقِ الٰہی کا سہارا بیحد ضروری ہے، اصل علم سے شیطان کا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے، اور عشق سے ذکر کی پرواز یا رفتار تیز تر ہو جاتی ہے، نیز اس سے ذکر خود بخود اپنے آپ کو دُہراتا رہتا ہے، ایسے میں لغزش کس طرح آسکتی ہے، لیکن ایسا علم اور ایسا عشق کوئی آسان کام نہیں، اس کے لئے سب سے پہلے آسمانی تائید چاہئے، تاکہ کوئی مومن شدید محنت کے ساتھ بڑی بڑی قربانیاں دے سکے، آپ قرآنِ حکیم میں کوشش (سعی) کی اہمیّت کو دیکھیں۔

۱۱۔ تاریخی کارنامے: میں بصد خوشی جان و دل سے اقرار و اعتراف کرتا ہوں کہ آج تک دانشگاہِ خانۂ حکمت کو جس قدر بھی کامیابیاں نصیب ہوئی ہیں، وہ بفضلِ خدا ہمارے تمام عزیزوں کے عظیم الشّان کارناموں کی وجہ سے ہیں، ان شاءاللہ یہ سلسلہ اور بھی آگے بڑھے گا، سکالرز، گورنرز اور علمی سولجرز کو اُستاد قلبی محبّت سے سلام کرتا ہے، اور اسے معلوم ہے کہ ایسی پُرخلوص سلام کی معنوی گہرائی میں کیسی کیسی دعائیں پنہاں ہیں، خدا کرے کہ سب اہلِ ایمان کا حشر نفسِ واحدہ میں ہو! تاکہ اس ذریعے سے

سب کے سب شخصِ واحد (انسانِ کامل) کے ساتھ ایک ہو جائیں۔

۱۲۔ اب باری آئی ہے کہ ہم اپنے ادارے کی ایک ایسی ہر دل عزیز اور پسندیدہ شخصیت کا ذکرِ جمیل کریں، جس سے جو جو عزیزان واقف ہوگئے، انہوں نے اس کو فرشتۂ ارضی قرار دیا، اور یہ بالکل سچ ہے، کیونکہ تاریخِ ادیانِ عالم گواہ ہے کہ ناسوت میں ملکوت کا ظہور ہوتا رہا ہے، الغرض وہ قابلِ توصیف اور لائقِ ستائش شخصیت محترمہ ڈاکٹر زرینہ ہیں جو ڈاکٹر حسین علی (مرحوم و مغفور) کی بیگم ہیں، آپ ایک بہت بڑی لائق، تجربہ کار، سینئر لیڈی ڈاکٹر ہیں، آپ کے دو کامیاب کلینک چلتے ہیں، اور گورنمنٹ میں باعزت ڈاکٹر بھی ہیں، اس کے باوجود علمی ذوق کا یہ عالم ہے کہ جب بھی اُستاد کا لیکچر ہوتا ہے تو چیف پیٹرن اور لائف گورنر ڈاکٹر زرینہ صاحبہ قلم اور بیاض لے کر تشریف لاتی ہیں۔

۱۳۔ محترمہ ڈاکٹر زرینہ کے فرزندِ ارجمند جناب غلام مرتضیٰ ہمارے مشرق و مغرب کے والینٹیئرز کے کرنل ہیں، آپ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ہوشمند نوجوان ہیں جو علمی خدمت کو ہمہ وقت اوّلیت دیتے آئے ہیں، عزیزم غلام مرتضیٰ علی فرسٹ گورنر بھی ہیں، ان کی بیگم محترمہ ڈاکٹر امینہ فرسٹ گورنر اپنی تمام تر نیک عادات

کی وجہ سے گھر اور کلینک کے لئے باعثِ برکت ہیں، ان کی سنجیدگی اور شرافت مثالی ہے، خداوندِ قدّوس کی ایسی عنایات پر ڈاکٹر زرینہ شکر ادا کرتی ہیں۔

نصیرالدین نصیر (حبِّ علی) ہونزائی
کراچی
بدھ ۱۹، جمادی الثّانی ۱۴۱۸ھ   ۲۲، اکتوبر ۱۹۹۷ء

ISW
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

چند اعلیٰ علمی اور عرفانی سوالات

سوال نمبر ۱: آپ قرآنِ حکیم کا کوئی ایسا ارشادِ مبارک دکھائیں جس میں واضح طور پر یہ اشارہ ہو کہ بہشت کی ابتدائی اور ضروری معرفت دنیا ہی میں ممکن ہے، اور اس کی ایک بڑی شرط جسمانی موت سے قبل نفسانی موت ہے، جس کو روحانی شہادت بھی کہتے ہیں، آیا قرآنِ عظیم میں ایسے اشارے بھی ہیں؟ — ج: جی ہاں، کلامِ الٰہی میں حکمتِ بالغہ کے لاتعداد اشارات آئے ہیں لیکن اس باب میں بہت ہی آسان اور قابلِ فہم اشارہ بلکہ تذکرہ سُورۂ محمّد (۶:۴۷) میں ہے، آپ اس آیۂ شریفہ کو خوب غور سے پڑھیں اس سے پہلے شہادتِ جسمانی اور شہادتِ روحانی کا ذکر بھی ہے (۴۷: ۴)۔

سوال نمبر ۲: کیا سچ مُچ بہشت کی معرفت نفسانی موت سے مشروط ہے؟ آیا یہ صرف بہشت ہی کی معرفت ہے یا اس سے معرفتِ کُلّی مراد ہے؟ ذات و کائنات کی معرفت؟ حضرتِ رب

العزّت کی معرفت (بعد از دیدارہائے باطنی و نورانی و عقلی)؟ ـــ ج:
جی ہاں، نفسانی موت (روحانی شہادت) کے سوا چشمِ بصیرت عطا نہیں ہوتی ہے، چشمِ بصیرت سے دل کی آنکھ مراد ہے، جس سے ہر عارف ناسوت، ملکوت، جبروت، اور لاہوت کا نظّارہ کر سکتا ہے، جس سے کُلّی معرفت حاصل آتی ہے، یعنی بہشت کی معرفت ہی میں ہر گونہ معرفت موجود ہوتی ہے، کیونکہ عشقِ کامل کو حدیثِ نوافل سے یہ خوشخبری ملتی ہے کہ خداوندِ قدّوس اپنے عاشقِ عارف کی آنکھ ہونے والا ہے (ھزار حکمت ص ۵۰۹)۔

سوال نمبر ۳: کیا کلامِ الٰہی میں نفسانی موت اور روحانی شہادت سے متعلق اور بھی آیاتِ کریمہ مل سکتی ہیں؟ اگر اس کا جواب اِثبات میں ہے تو براہِ کرم دس ایسی آیاتِ مبارکہ کے حوالہ جات بتائیں، تاکہ ہم دیکھیں اور علم الیقین سے استفادہ کریں۔

ج: اگرچہ یہ سِرِّ عظیم خود حضرتِ آدمؑ سے شروع ہوا ہے لیکن آپ کی آسانی کی خاطر حضرتِ ادریسؑ کا حوالہ دیتے ہیں کہ ان کو دوسرے تمام انسانانِ کامل ہی کی طرح نفسانی موت اور جہادِ اکبر کی شہادت کا پُر مغز تجربہ ہوا تھا، اور انہیں عالمِ شخصی کی بہشت (حظیرۂ قدس) تک بلند کیا گیا تھا (مکاناً علیاً ۱۹: ۵۷) دوسرے حوالہ جات یہ ہیں: (۱) بعنوانِ قتلِ نفس ۲: ۵۴ (۲) بعنوانِ دیدار ۲: ۵۵ (۳) بعنوانِ موتوا ثمّ احیاھم ۲: ۲۴۳ (۴) بعنوانِ مُشاہدۂ

موت ۳: ۱۴۳ (۵) بعنوانِ شہادت ۳: ۱۶۹ (۶) بعنوانِ ذائقۂ موت ۳: ۱۸۵ (۷)، بعنوانِ شہادت ۴: ۶۹ (۸) بعنوانِ جہاد ۲۲: ۷۸، (۹) بعنوانِ شہادت ۵۷: ۱۹، پس آپ ان آیاتِ مقدّسہ میں خوب غور سے دیکھیں۔

سوال نمبر۴: ہمارا ایمان اور یقین اس طرح سے ہے کہ قرآنِ پاک سماوی رُشد و ھدایت اور علم و حکمت کے خزائن سے بھرا ہوا ہے، چُنانچہ اللہ جلّ شانہٗ کے اس کلامِ حکمت نظام کا ہر موضوع آسمانی جواہر کا ایک انمول خزانہ ہے، لہٰذا ہم سرِدست گنجِ دیدارِ الٰہی سے متعلّق کوئی ایسی حکمتِ بالغہ سُننا چاہتے ہیں کہ اس سے عُشّاق کو ایک انوکھی اور نرالی بیداری اور شادمانی ملے، آیا ایسی کوئی بات ممکن ہے؟ ــــ ج: ان شاء اللہ تعالیٰ، مضمونِ دیدار کا ذہنی سفر خود ہر عاشقِ صادق کے لئے ایک زبردست روح پرور خوشی ہے، گزارش یہ ہے کہ جب اور جہاں یہ حقیقت ہے کہ دیدارِ پاک ہر عارف کو فنا کر کے گنجِ ازل بنا دیتا ہے، پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ دیدارِ اقدس سے متعلّق ہر روشن دلیل اپنی پُرتاثیر علمی حرارت سے قلوبِ عاشقان کو پگھلا دیتی ہے، مثال کے طور پر سورۂ ھود (۱۱: ۹۰) اور سورۂ بروج (۸۵: ۱۴) میں دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک اسمِ مبارک الوَدُوْد (بہت محبّت کرنے والا)، یعنی حقیقی مومنین کو دوست رکھنے والا ہے اور ان دونوں

حوالوں میں ٹھیک غور سے دیکھ کر بتائیں کہ اس پاک دوستی کی کیا کیا شرطیں ہیں؟ نیز یہ بھی آپ ہی بتائیں کہ دونوں جہان میں ایسے مہربان دوست کا دیدار ممکن ہے یا غیر ممکن؟

سوال نمبر ۵: بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار صرف قیامت اور آخرت میں ہوگا، اس کے بارے میں آپ کی کیا دلیل ہے؟ — ج: یہ بات بالکل درست ہے کہ قیامت سے قبل دیدار ممکن نہیں، لہٰذا عارفوں کے نزدیک یہ امر بیحد ضروری ہوا کہ وہ جیتے جی نفسانی طور پر مر کر قیامت اور آخرت کو دیکھیں، اور اللہ کے دیدارِ اقدس سے کنزِ مخفی کو حاصل کریں، اس بیان سے یہ حقیقت روشن تر ہوگئی کہ الوَدُود کا اسمِ مبارک دیدار دینے کے معنی میں ہے، کیونکہ کوئی معشوق ایسا بھی ہو سکتا ہے جس کو عاشق پسند نہ ہو، لیکن جب خداوند تعالیٰ کا مبارک نام وَدُود (بہت محبّت کرنے والا) ہے تو یہ نامِ گرامی اس معنیٰ میں ہے کہ اللہ محبّ بھی ہے اور محبوب بھی، پس اِس دلیل سے دیدار کی امکانیّت روشن ہوگئی۔

سوال نمبر ۶: کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو دو بار اللہ کا دیدار ہوا تھا، اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ — ج: یہ قول اس اعتبار سے درست ہے کہ ہر بڑی چیز کو چشمِ بصیرت سے دیکھا جائے تو وہ ایک بھی ہے، دو

بھی، اور کثرت سے بھی ہے، چنانچہ حضورِ انورؐ اپنے روحانی سفر کے دوران عالمِ کثرت سے عالمِ وحدت کی طرف تشریف لے جارہے تھے، لہٰذا آپؐ نے ابتداءً خواب و خیال کی نورانیت میں خدا کی کئی تجلیوں کو دیکھا، آگے چل کر عالمِ ابداع میں حضورِ اکرمؐ کو دو دفعہ دیدار ہوا، اور آخر میں جاکر مقامِ معراج پر (عالمِ وحدت میں) معجزۂ واحدانیت کا دیدار ہوا، جس کی تعریف بیان سے بالاتر ہے۔

سوال نمبر: قرآنِ حکیم کی بہت سی آیاتِ کریمہ میں انبیاء علیہم السّلام کے پیچھے پیچھے چلنے کا حکم آیا ہے، صراطِ مستقیم کے اس نیک سفر میں اہلِ ایمان کو پیغمبروں کی ہدایت اور رفاقت کی سعادت کس منزل تک جاری رہتی ہے؟ — ج: ہر سفر کی کوئی نہ کوئی منزلِ مقصود ہوا کرتی ہے، چنانچہ دینی اور روحانی راستے کی منزلِ مقصود خدا ہی ہے، یہ بات الگ ہے کہ کوئی مسافر ھادیٔ برحق کے دامن کو چھوڑ دے، یا چلنے سے ہمّت ہار بیٹھے، ورنہ اللہ تعالیٰ کی ھدایتِ کاملہ اس بات کی مقتضی ہے کہ ہر مومن کو منزلِ فنافی اللہ تک پہنچا دیا جائے۔

سوال نمبر: کہا جاتا ہے کہ وحی کے درجات ہیں، آیا آپ یہ بتاسکتے ہیں کہ سب سے اعلیٰ درجے کی وحی کس طرح سے ہے؟ یا کس نام سے ہے؟ اور اس کا ایک خاص بیان قرآنِ پاک کے

کس مقام پر ہے؟ — ج: ان شاء اللہ، اسی کی توفیق و یاری سے بتا سکتے ہیں کہ سب سے بلند ترین وحی (اشارہ) خاموش رُؤیت (دیدار)، کی کیفیّت میں ہے، وحی کے اصل معنی اشارہ کے ہیں، پس عالمِ ابداع کے پہلے دیدار میں حجاب کے ساتھ کلام بھی ہے اور وحی بھی، دوسرے دیدار میں صرف وحی ہے مگر کلام نہیں، اور عالمِ وحدت میں جو دیدار ہے، اس کے ساتھ کلامِ مجموع و مرکوز بھی ہے اور وحی بھی ہے اور آپ جس متعلّقہ آیۂ کریمہ کی شناخت چاہتے ہیں، وہ سورۂ شوریٰ کے آخر (۴۲: ۵۱) میں ہے، پس مذکورہ وحی جو اشارہ ہے، وہ سب سے بڑا خزانۂ اشارات ہے۔

سوال نمبر ۹: کیا اشارہ (وحی) صرف رُؤیت ہی میں ہے اور کلامِ الٰہی وغیرہ میں ایسا کوئی اشارہ نہیں ہے؟ — ج: کیوں نہیں، میں نے تو یہ بتا دیا کہ وہاں کلامِ مرکوز و مجموع ہے، اس کا مطلب کلمۂ کُن (ہو جا کا حکم)، ہے، جس میں امرِ کُل کے تمام اشارے جمع ہیں، نیز یہاں یہ نُکتہ بھی خوب یاد رہے کہ قرآنِ عظیم کے ناموں میں سے ایک نام وحی (اشارہ) ہے، یہی وجہ ہے کہ اس بیمثال آسمانی کتاب میں سرتاسر حکمت کے اشارے بھرے ہوئے ہیں۔

سوال نمبر ۱۰: آپ نے کہا "پس مذکورہ وحی (دیدار)، جو اشارہ ہے، وہ سب سے بڑا خزانۂ اشارات ہے" کیا آپ ان الفاظ کی کچھ وضاحت کریں گے؟ — ج: جی ہاں، ان شاء اللہ العزیز،

جاننا چاہیئے کہ یہ پاک دیدار صورتِ رحمان / وجہ اللہ کا ہے، جس میں حضرتِ آدمؑ سے شروع کر کے تمام انبیا و ائمہ علیہم السّلام کی آئینہ داری / چہرہ شناسی / معرفت اور شناخت ہے، اور اسی میں جملہ فرشتوں اور اہلِ جنّت کی بھی ایسی ہی معرفت ہے، کیونکہ یہ وہ بلند ترین مرتبہ ہے، جس کو "فنا اللہ و بقا باللہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

سوال نمبر ۱۱: سورۂ شمس (۹۱: ۷–۸) میں ارشاد ہے: وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۔ قسم ہے انسان کی جان (روح) کی اور جس نے اسے درست کیا، پھر اسے فجور و تقویٰ (شرّ و خیر) کا الہام کیا۔ آپ اس کی کچھ حکمت بیان کریں۔ ج: یہ روحِ خاص ہے، کیونکہ اللہ نے اس کی قسم کھائی اور اس کی درستی کا ذکر فرمایا، اور اس میں بمقتضائے حکمت شرّ و خیر کے دونوں ذریعے بنائے، وہ ایک تو جنّ ہے اور دوسرا فرشتہ، یہ ہوا فجور اور تقویٰ کا الہام کرنا، تاکہ عقل والے مومنین فرشتے کی حمایت سے (جنّ) شیطان کے خلاف روحانی اور علمی جہاد کر کے اسے مسلمان بنائیں۔

سوال نمبر ۱۲: سورۂ قٓ (۵۰: ۱۶) میں ہے (ترجمہ): ہم نے انسان کو پیدا کیا، ہم اس کے نفس کے وسوسوں کو جانتے ہیں اور ہم تو اس کی شہ رگ (حبل الورید) سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ اس قرآنی تعلیم میں حبل الورید سے کیا مراد ہے؟ ج: حبل الورید کا

لفظی ترجمہ ہے؛ وہ رسّی جو اوپر سے وارد ہوئی ہے، اور اس کی حکمت ہے وہ فرشتہ جو انسان میں خیر کا ذریعہ ہے، اور وہ عالمِ عُلوی کے ساتھ رابطۂ نورانیّت کی رسّی ہے، تاہم اللہ اس فرشتے سے بھی زیادہ انسانی حقیقت کے قریب ہے، اور یہ پاک اشارہ کلام اور دیدار کی امکانیّت کی طرف ہے۔ الحمد للہ ربّ العلمین۔

نصیر الدّین نصیرؔ (حُبِّ علی)، ہونزائی
کراچی

جمعہ ۶؍رجب المرجّب ۱۴۱۸ھ ۷؍نومبر ۱۹۹۷ء

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

پُر حکمت امتحانی سوالات

(۱)

۱۔ سب سے پہلے آپ یہ بتائیں کہ تصوّرِ آفرینش کے بارے میں حضرتِ مولانا امام سُلطان محمّد شاہ صلوات اللہ علیہ وسلامہ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ کیا پہلے کبھی خدا اپنی صفتِ خالقیت سے کام نہیں لے رہا تھا؟ آیا یہ بات درست ہو سکتی ہے کہ اللہ کا اسمِ مبارک "ربُّ العالمین" تو تھا، مگر فعلاً پرورش پانے کے لئے کوئی عالم موجود نہ تھا؟ آفرینش کا تصوّر خطّ (لکیر) کی طرح ہے یا دائرے کی طرح؟

۲۔ بعض عُلما کا قول ہے کہ قرآنِ حکیم میں صرف ایک ہی آدم کا قصّہ ہے، جبکہ دوسرے عُلما کہتے ہیں کہ ایک آدم کے قصّے میں بے شمار آدموں کا تذکرہ پوشیدہ ہے، اس میں آپ کا کیا نظریّہ ہے؟ اور اپنے نظریئے پر کیا دلائل ہیں؟

۳۔ آدمی اور جِنّ (پری) میں کیا رشتہ ہے؟ فرشتہ کس چیز سے ہے؟ کیا مومن اور مومنہ کی روح کبھی فرشتہ ہو سکتی ہے؟ کس طرح؟

قرآن اور فرمان کی دلیلیں پیش کریں۔

۴۔ کیا آپ جیتے جی فنا کے قائل ہیں؟ اگر ہیں تو پہلی فنا کونسی ہے؟ آخری فنا کیا ہے؟ کتنی فنائیں ہیں؟ کیا فنا سے متعلق کوئی آیۂ شریفہ آپ بتا سکتے ہیں؟

۵۔ آپ عالمِ صغیر یا عالمِ شخصی کے بارے میں سمجھائیں کہ وہ کیا ہے؟ اس میں کیا کیا چیزیں ہیں؟ جسمِ لطیف کس چیز کا نام ہے؟ عالمِ ذرّ کیا ہے؟ وہ کہاں ہے؟ یاجوج ماجوج کون ہیں؟

۶۔ منزلِ عزرائیلی کے بارے میں آپ نے کیا سُنا ہے یا پڑھا ہے؟ مومنِ سالک کتنی مدت تک نفسانی موت کی آزمائش میں رہتا ہے؟ کیا ایسے میں عزرائیل کے ساتھ ساتھ اسرافیل بھی ہوتا ہے؟ بلکہ دوسرے دو فرشتے بھی؟ اور ان چاروں سرداروں کے تمام لشکر بھی ہوتے ہیں؟

۷۔ علم الیقین کس نوعیت کے علم کو کہتے ہیں؟ عین الیقین جو یقین کا دوسرا درجہ ہے، اس میں علم و معرفت کے کیسے کیسے فائدے ہیں؟ حقّ الیقین میں کس درجے کا یقین حاصل ہوتا ہے؟ شک اور یقین دو برعکس معنی ہیں، پس اگر ایک شخص کے دل میں دینی اعتبار سے شک ہے تو یہ کس طرح دور ہو سکے گا؟

۸۔ علمِ لدُنی کا ذکر قرآنِ پاک میں ہے یا نہیں؟ یہ کس طرح سے ہے؟ اور کس درجے کا علم ہے؟ مجمع البحرین ظاہر میں ہے یا باطن

ہیں؟ علمِ لدُنّی کے لئے حضرتِ موسیٰؑ کا سفر ظاہر میں تھا یا اپنے عالمِ شخصی ہی میں؟ آپ کے نزدیک حقیقت جیسی بھی ہو، اسے دلیل سے ثابت کریں۔

۹۔ قرآنی حکمت سے خیرِ کثیر وابستہ ہے، آپ بتائیں کہ حکمت کا دروازہ بند ہے یا کھلا؟ اگر آپ کہتے ہیں کہ حکمت اور خیر کا دروازہ کبھی بند نہیں ہو سکتا، تو پھر آپ ہی بتائیں کہ حصولِ حکمت کا ذریعہ کیا ہے؟

۱۰۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد ہے: میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔ آپ بتائیں کہ اس صورت میں ہم میں سے ہر ایک کس طرح حکمت حاصل کر سکتا ہے؟ اور اس مقصدِ عالی کے لئے کیا کیا شرائط ہیں؟

۱۱۔ قرآنِ حکیم، حدیثِ شریف، اور ارشاداتِ ائمّۂ آلِ محمدؐ کے مطابق ہر زمانے کا امام علم و حکمت کا دروازہ ہوا کرتا ہے، اور یقیناً حقیقت یہی ہے، لیکن ایک بڑا اہم سوال یہ ہے کہ خاص علم و حکمت کی غرض سے امامِ اقدسؑ تک راستہ ظاہری ہے یا باطنی؟ یا دونوں ہیں؟ آپ کی نظر میں جو بھی طریقہ ہو، اس کی دلیل پیش کریں۔

۱۲۔ وہ آیۂ کریمہ کونسی ہے جس میں یہ مفہوم ہے کہ قرآنِ پاک ان حضرات کے پاک سینوں میں ہے جن کو علم دیا گیا ہے؟ ایسے

صاحبان کون ہیں؟ آیا وہ أئمۂ طاہرینؑ ہیں؟ آیا قرآن کی روح و روحانیت سینہ بہ سینہ چلی آئی ہے؟ آیا یہ بات درست ہے کہ جو لوگ حقیقی معنوں میں امامِ زمانؑ کے عاشق ہوں ان کے سینے میں بھی قرآنی روح آسکتی ہے؟

۱۳۔ آپ خود کلامِ الٰہی (۴۲: ۵۲) میں دیکھ کر بتائیں کہ قرآنِ حکیم آنحضرتؐ کے سینۂ مُبارک میں ایک زندہ روح اور ایک بولتا نور کی حیثیت سے نازل ہوا تھا یا نہیں؟ کیا ایسے میں رسولِ خداؐ اوّلین قرآنِ ناطق نہیں تھے؟ اگر آپ کہتے ہیں کہ حقیقت یہی ہے، تو پھر زمانۂ نبوّت ہی سے قرآنِ صامت کے ساتھ ساتھ قرآنِ ناطق کا ثبوت بھی مل گیا، تو کیا اس میں کوئی شک ہے؟

۱۴۔ کیا سُورۂ مائدہ (۵: ۱۵) میں بھی نور سے مراد قرآنِ ناطق (آنحضرتؐ) اور کتابِ مبین کا مطلب قرآنِ صامت نہیں ہے؟ آپ بتائیں قرآنِ پاک میں کہاں کہاں نمایاں طور پر بولنے والی کتاب (قرآنِ ناطق) کا ذکر آیا ہے؟ یقیناً حضرتِ امام علیہ السّلام ہی دنیا میں کتابِ ناطق اور قیامت میں نامۂ اعمال ہے (۲۳/۶۲، ۴۵/۲۹)۔

۱۵۔ یہ پُرمغز اور عدیم المثال شعر کس حکیم کا ہے؟ کیا یہ اپنی نوعیت کے ایک بڑے مضمون کا جوہر نہیں ہے؟ ز دنیا تا بہ عُقبیٰ نیست بسیار ولی دررہ وجودِ توست دیوار۔ ترجمہ: دنیا سے آخرت تک کچھ زیادہ

مسافت نہیں ہے، لیکن راستے میں تیری اپنی ہستی دیوار بنی ہوئی ہے۔

۱۶۔ جنّ وانس اللہ تعالیٰ کی جس عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں (۵۱: ۵۶) وہ دراصل کیسی عبادت ہے؟ معرفت کے ساتھ ہے یا اس کے بغیر؟ کیا رسول اللہؐ کی عبادت بصیرت اور معرفت کے ساتھ نہ تھی؟ آیا حضورِ انورؐ اور آپؐ کے وصیؑ نے اسی بصیرت (اور معرفت) کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی طرف نہیں بُلایا (۱۲: ۱۰۸)؟

۱۷۔ یاد رہے کہ بصیرت دل کی بینائی کو کہتے ہیں، اور معرفت اسی سے حاصل ہوتی ہے، آیا سُورۂ تکاثُر (۱۰۲: ۵-۷) میں سب کے لئے علم الیقین اور عین الیقین کی اہمیّت وضرورت کا ذکر نہیں ہے؟ اگر آپ کہتے ہیں کہ تمام لوگوں کے لئے اس کی بڑی سخت ضرورت ہے، تو آپ کو جاننا چاہئے کہ چشمِ باطن کو عین الیقین کہتے ہیں۔

۱۸۔ آپ کے استاد (علاّمہ نصیر) کی تصنیفات کتنی ہیں؟ ترجموں کے ساتھ ملا کر کتنی بنتی ہیں؟ استاد کیا کہتے ہیں: روح مرئی ہے یا غیر مرئی؟ آیا معرفتِ نفس سے معرفتِ روح مُراد ہے؟ کونسی روح؟ کیا یہ نظریّہ درست ہے کہ حضرتِ ربّ العزّت خود ہماری جانوں کی جان ہے؟ یعنی ہماری اپنی سب سے اعلیٰ روح ہے، لہٰذا اسی کی معرفت ہماری اپنی معرفت ہے۔

۱۹۔ دانشگاہِ خانۂ حکمت کے کتنے سکالرز ہیں؟ گورنرز کی کیا تعداد ہے؟ علمی لشکر؟ کُل ممبرز؟ تمام شاگرد؟ اس ادارے کی کتابیں پڑھنے والے؟ کیسیٹ سُننے والے؟ کتابوں کے نمونے دنیا کے کن کن ملکوں میں گئے ہیں؟

۲۰۔ آپ نے اپنے پیارے اُستاد کی کتنی پیاری پیاری کتابوں کا بغور مطالعہ کیا ہے؟ آپ کو کونسی کتاب بہت اچھی لگتی ہے؟ کیا آپ عالمِ شخصی پر ایک عمدہ مضمون لکھ سکتے ہیں؟ روحانی سائنس کی تعریف کس طرح کی گئی ہے؟ علّامہ نصیر نے وجودِ آفتاب کے بارے میں جو انقلابی تصوّر پیش کیا ہے، آپ اس کی وضاحت کریں، وہ بیحد ضروری ہے۔

۲۱۔ ھُبوطِ آدم کے بارے میں کیا کیا امکانات ہیں؟ کیا اِس ھُبوط میں صرف ایک ہی آدم تھا یا بہت سے آدموں کا قصّہ ہے؟ آدم کا زمین پر اُترنا روحانی طور پر تھا یا جسمِ لطیف کی پرواز سے؟ آدمِ سراندیبی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ آیا وہ سیلون (لنکا۔ سری لنکا) میں پیدا ہُوا تھا؟ کیا اس کے ماں باپ تھے؟ کیا وہ شروع شروع میں صرف ایک مرید تھا، اور اس کو امامِ زمانؑ کی جانب سے اسمِ اعظم کے ذکر کا اذن ملا تھا؟ (کتاب سرائر)۔

۲۲۔ قرآنِ حکیم میں جو آیۂ استخلاف ہے (۲۴ : ۵۵) اس کی حکمت تلاش کریں اور بتائیں کہ اس میں بے شمار آدموں کا اشارہ ہے یا

نہیں؟ آیا یہ بات حقیقت ہے، جو کہتے ہیں کہ ہر آدم صاحبِ جُثّۂ ابداعیہ ہوا کرتا ہے، جس کی وجہ سے یہ کہنا بالکل درست ہو کہ آدم بہشت سے آیا تھا؟ کیا ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ آدمِ سراندیبی جسمِ کثیف کے اعتبار سے سیلون میں پیدا ہُوا تھا، مگر روحِ قدسی اور نورانی بدن کے لحاظ سے جنّت سے آیا تھا؟

۲۳۔ کیا انسان اپنے جسمِ کثیف کے ساتھ بہشت میں داخل ہو سکتا ہے؟ وہاں ہمیشہ یا کچھ وقت کے لئے سکونت کر سکتا ہے؟ اگر نہیں تو حقیقت یہی ہے کہ بہشت کی پاکیزہ زندگی کے لئے جُثّۂ ابداعیہ بیحد ضروری ہے۔

۲۴۔ کتابِ دعائم الاسلام، جلدِ اوّل (عربی)، ص ۲۹۱ پر بہت ہی مختصر یہ ذکر ہے کہ اِس زمین پر قبل از آدمِ اوّل جنّات رہتے تھے، اگر ہم جِنّ کو لطیف انسان مانتے ہیں تو اس سے بڑے بڑے اسرار کُھل جائیں گے، کیا آپ ان میں سے کچھ بتا سکتے ہیں؟

نصیر الدّین نصیرؔ (حُبِّ علی)، ہونزائی
کراچی
منگل ۱۰؍ رجب المُرجّب ۱۴۱۸ھ ۱۱؍ نومبر ۱۹۹۷ء

پُرحکمت امتحانی سوالات

(۲)

۱۔ ہر چیز کے قلب (دل، مرکز، وغیرہ) کی اہمیت کیوں نہ ہو، اور قلبِ قرآن کی اہمیت تو انتہائی عظیم ہے، پس قرآنی قلب میں جو خزانۂ اعظم ہے، وہ کُلّیۂ امامت ہی ہے، جس کو آپ ہمیشہ پڑھتے رہتے ہیں، اس کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ کی قدرتِ کاملہ سے دین کی تمام لطیف ذرّاتی، روحانی، نورانی، عقلی، علمی، اور عرفانی چیزیں امامِ مبینؑ کی نورانیّت میں گھیری ہوئی ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ اس خزانۂ خزائنِ الٰہی سے لوگوں کو فیضِ عام کس طرح مل سکتا ہے؟ اور معجزاتی فیضِ خاص حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

۲۔ آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پاک محبّت و دوستی صرف رسولِ کریمؐ ہی کے وسیلے سے ممکن ہے، آنحضرتؐ کی مقدّس دوستی امامِ زمانؑ کے ذریعے سے ہو سکتی ہے، یعنی امام سے حقیقی عشق و محبّت پیغمبرِ پاکؐ کی وجہ سے ہے، اور آنحضورؐ سے عشق و محبّت خداوندِ قدوس کے لئے ہے، تو ایسے میں آپ ہی بتائیں

کہ ہمارے عشق و محبّت کا کیا درجہ ہونا چاہیئے؟ آیا خاص علم اور خاص عمل کے بغیر ہمارے دل میں آسمانی عشق ٹھہر سکتا ہے؟

۳۔ صراطِ مُستقیم کی وجہ سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا دین ایک سفر ہے؟ اس کی منزلیں بھی ہیں؟ شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت؟ کیا اس سفر کی منزلِ مقصود خدا کی معرفت ہی ہے؟ آیا یہ درست ہے کہ صراطِ مُستقیم سے ھادئ برحق مراد ہے، اس لئے ھدایت، صراطؔ اور سبیل ایک ہی چیز ہے، یعنی امام؟

۴۔ کہا جاتا ہے کہ قرآنِ مجید اور ھادئ زمانؑ اگرچہ ظاہراً الگ الگ ہیں، لیکن ان دونوں کا باطنی نور ایک ہی ہے، کیا آپ اس حقیقت کو مثال و دلیل سے ثابت کر کے سمجھا سکتے ہیں؟ کیا آپ زمانۂ نبوّت سے اس حقیقت کی کوئی عمدہ مثال پیش کر سکتے ہیں؟

۵۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنَّہٗ لَفِی زُبُرِ الاَوَّلِینَ (۲۶: ۱۹۶) اِس آیۂ مبارکہ کا اصل ترجمہ اور تفسیر کس طرح سے ہے؟ آپ چند مُستند تراجمُ کو بھی دیکھ سکتے ہیں، اور بتائیں کہ اگر "قرآن اگلے لوگوں کی کتابوں میں بھی ہے" تو کس طرح ہے؟ کیا لسانی لفظوں میں ہے یا معنوں میں؟ یا صرف تعریف و تذکرہ ہے؟ آپ علمی مسائل حل کرنے کی عادت بنالیں۔

۶۔ آپ نے میرا ایک مقالہ (کتابچہ) "روحانی سائنس کے

عجائب و غرائب" پڑھا ہوگا، اس میں سے چند حکمتیں بیان کریں، یہ مقالہ کس تقریب کے لئے لکھا گیا تھا؟ اور کب چھپ کر شائع ہوا تھا؟

۷۔ اُس کتاب کا کیا نام ہے جو روحانی اسرار سے مملو ایک بروشسکی نظم کے ترجمہ و تشریح پر مبنی ہے؟ اس نظم کا مطلع کیا ہے؟ آیا ان اشعار کا کوئی مربوط مضمون ہے؟ یا ہر شعر کا ایک جداگانہ مطلب ہے؟ اگر وہ ایک مربوط اور مکمل مضمون ہے تو بتائیں کہ وہ کیا مضمون ہے؟

۸۔ ہماری کس کتاب میں ہیکپی سے علاج کا بیان ہے؟ کابوس کس مرض کا نام ہے؟ قرآنِ حکیم کے بارے میں میرا یقین ہے کہ اس میں تمام بیماریوں کے لئے لاہوتی نُسخے (PRESCRIPTIONS) اور جبروتی دوائیاں ہیں، جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے: خَیْرُ الدَّوَآءِ القُراٰنُ = بہترین دوائی قرآن ہے۔ کیا آپ اِس آفاقی طریق علاج سے فائدہ اُٹھانے کی خاطر میری کتابوں کو پڑھتے ہیں؟

۹۔ اسمِ اعظم اور اسماءُ الحسنیٰ کے بارے میں آپ کے پاس کیا معلومات ہیں؟ اِس باب میں حضرات ائمہ علیہم السّلام کے کیا ارشادات ہیں؟ کیا یہ درست ہے کہ اصل اسمِ اعظم امامِ زمانؑ خود ہی ہوتا ہے؟ کیا آپ نے قرآنِ حکیم میں اسماءُ الحسنیٰ کی تعریفی

آیات پڑھی ہیں ($\frac{7}{180}$، $\frac{17}{110}$، $\frac{20}{8}$، $\frac{59}{24}$) ؟

۱۰۔ توبہ کے لفظی معنی؟ اِصطلاحی معنی؟ تاویلی حکمت؟ توبہ اور رجوع اِلیَ اللہ میں کیا فرق ہے؟ دیدار پہلے ہے یا معرفت؟ وجہُ اللہ سے کیا مُراد ہے؟

۱۱۔ ای نُسخۂ نامۂ الٰہی کہ توُئی + ای آئینۂ جمالِ شاہی کہ تُوئی + بیرون زتو نیست ہر چہ در عالم ھست + در خود بطلب ہر انچہ خواہی کہ تُوئی۔ یہ رباعی کس کی ہے؟ ہماری کس کتاب میں ہے؟ آپ اس کے معنی بتائیں، ایک عارف کس طرح نُسخۂ نامۂ الٰہی ہو سکتا ہے؟ کیا عالمِ شخصی میں قلم اور لوح بھی ہیں؟ کیا اس میں عرش و کرسی بھی ہیں؟ بتائیں یہاں کیا کیا چیزیں موجود نہیں ہیں؟

۱۲۔ دانشگاہِ خانۂ حکمت کی کونسی کتاب ہے جس میں درودِ شریف کی گیارہ عظیم حکمتیں درج کی گئی ہیں؟ کیا آپ ہماری چند کتابوں میں سے درود کے مضمون کو یکجا لکھ سکتے ہیں؟ کتابِ علمی بہار ص ۱۴۰۔۱۴۱ پڑھ کر بتائیں کہ جنّ و انس کی حقیقی عبادت کی سب سے بڑی شرط کیا ہے؟ ہماری تصانیف میں کُلّ کتنے علمی نقشے ہیں؟ آپ کو کون کون سے نقشے بہت مفید لگتے ہیں؟ کیا آپ ان تمام نقوشِ حکمت پر کوئی کامیاب ریسرچ کر سکتے ہیں؟

۱۳۔ کتابِ لعل و گوہر میں "عبدالاحد کا اشارہ" بڑا عجیب و غریب

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

مضمون ہے، آپ نے ضرور پڑھا ہوگا، بتائیے اس میں کون کونسی عرفانی باتیں غیر معمولی ہیں؟ ستاروں کے بارے میں قرآنِ حکیم کا کیا ارشاد ہے؟ آیا زمین ہی کی طرح ستارے بھی اِنسان کے لئے مسخّر ہونے والے ہیں؟ کیا وہ ہمارے لئے بہشت کی وسیع زمینیں ہیں؟ کیا یہ بات حقیقت ہے کہ ستاروں کی بہشت میں ہمیشہ رہنے کے لئے اہلِ ایمان کو نورانی ابدان (اجسامِ لطیف) ملنے والے ہیں؟

۱۴۔ عبدالاحد ایک مصیبت زدہ مومن تھا، اُس نے رجوع کیا، اور وہ فرشتہ ہو گیا، کیا قرآنِ پاک میں بہت سے کہکشانی نظاموں کا اشارہ موجود ہے؟ نظامِ شمسی اور نظامِ کہکشانی میں کیا فرق ہے؟ آپ خوب سوچ کر بتائیں کہ قرآنِ کریم میں جہاں جہاں چھوٹے بڑے ستاروں کا ذکر آیا ہے وہاں کہکشانی ستاروں کا تذکرہ بھی ہے یا نہیں؟

۱۵۔ قرآنی ارشاد ہے: (ترجمہ) ہم نے قریب والے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا اور (اس کو) خوب محفوظ کیا اور (محافظ بنایا) (۱۲:۴۱)۔ آیا اس ہدایتِ سماوی سے یہ ظاہر نہیں ہے کہ یہ قریبی کہکشانی نظام کا ذکر ہے؟ کیونکہ چراغوں سے چھوٹے بڑے تمام ستارے مراد ہیں جن میں کہکشانی ستارے بھی شامل ہیں؟ کیا قریبی آسمان یا کہکشانی نظام کہنے کا یہ اشارہ نہیں ہے کہ اور بھی

نظامہائے کہکشانی ہیں، مگر وہ علی الترتیب دور ہیں؟ کیا قرآنِ حکیم جگہ جگہ یہ نہیں فرماتا کہ خدا لوگوں کو قیامت تک امتحان میں رکھتا ہے، پھر اس کے بعد اصل بھیدوں کو ظاہر فرماتا ہے؟

۱۶۔ سورۂ رحمان میں ایک ایسی آیت ہے جو دہرائی گئی ہے، آپ بتائیں، وہ کتنی دفعہ دہرائی گئی ہے؟ اس کے کیا معنی ہیں کہ اللہ نے قرآن کو ذکر کے لئے آسان کردیا ہے؟ (بحوالۂ سورۂ قمر ۵۴)۔ کہا جاتا ہے کہ اسمِ اعظم قرآنِ پاک کے تین مقامات پر ظاہر ہے، پھر بھی وہ گویا لوگوں سے غائب ہے، اس کا سبب کیا ہو سکتا ہے؟ نور ایک ایسا اسمِ صفت ہے جو خدائے تعالیٰ کے بعد رسولِ اکرمؐ اور امامِ عالیمقامؑ کے لئے بھی آتا ہے، کیا آپ کے علم میں ایسے مشترک اسماء اور بھی ہیں؟ خدا، پیغمبرؐ، اور امامؑ کے اسماء میں دیکھ لیں۔

۱۷۔ کتابِ وجہِ دین کے مطابق لیلۃُ القدر (شبِ قدر) کی تاویل بیان کریں، آیا مذکورہ بے مثال کتاب میں عصرِ حاضر سے متعلق کئی پیشگوئیاں موجود ہیں؟ کیا آپ اس بارے میں چند ضروری باتیں احبابِ خاص کو بتا سکتے ہیں؟ زمانۂ تاویل کس چیز سے وابستہ ہے؟ وہ کب آئے گا؟ کیا آپ حجّتِ قائم کی تعریف کر سکتے ہیں؟

۱۸۔ مُؤَوِّل کے کیا معنی ہوتے ہیں؟ مُؤَوِّل (تاویل کرنے والا)

امام ہے، لیکن یہ تو بتاؤ کہ اس کا طریقِ کار کیا ہے؟ اس کام کے لئے یا اس علم کے لئے امامؑ کے خاص باطنی شاگرد بھی ہوتے ہیں یا اس کا ہر کام صرف ظاہر تک محدود ہوتا ہے؟ نیز یہ پوچھنا ہے کہ آیا تاویل اپنی نوعیّت کی ایک جنگ نہیں ہے؟ اگر آپ مانتے ہیں کہ ہاں بموجب حدیثِ شریف تاویل علمی جنگ ہے تو پھر آپ ہی بتائیں کہ آیا تاویلی جنگ یا جہاد لشکر کے بغیر اکیلا سردار خود ہی کرتا ہے؟ کیا آنحضرتؐ نے تنزیلی جنگ کے لئے لشکرِ اسلام کو استعمال نہیں کیا تھا؟ کیا آپ نے کبھی اعلیٰ کتابوں میں بزرگانِ دین کی حیران کُن تاویلیں نہیں دیکھی ہیں؟

۱۹۔ حضرتِ امام علیہ السّلام اللہ تعالیٰ کا وہ نورِ علم وھدایت ہے جو دلوں میں طلوع ہو کر کام کراتا ہے، اس باب میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا یہ درست ہے کہ آنحضرتؐ نے مولا علیؑ کے مرتبۂ نورانی کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، وہ ہر زمانے کے امام سے متعلق ہے؟ آپ نورٌ علیٰ نور کی کچھ حکمت بیان کریں، آیۂ مصباح کونسی ہے؟ نورِ مُنَزَّل کسے کہتے ہیں؟

۲۰۔ سورۂ کوثر کی شانِ نزول کیا ہے؟ اسے بیان کریں، امامِ اقدس واطہرؑ کن معنوں میں وارثِ کتاب (قرآن) کہلاتا ہے (۳۲:۳۵) کیا یہ صحیح ہے کہ تمام چیزیں علمی ظُروف کا کام انجام

دے رہی ہیں؟ اگر ایسا ہے تو کوئی چیز علم سے خالی نہیں ہے، الحمد للہ رب العالمین۔

نصیر الدین نصیر (حُبِّ علی) ہونزائی
کراچی
ہفتہ (مولانا شنبہ)، ۱۴؍ رجب المرجّب ۱۴۱۸ھ
۱۵؍ نومبر ۱۹۹۷ء

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

حظیرۂ قُدُس = علمی بہشت

۱۔ اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ حظیرۂ قُدُس اہلِ بصیرت کے لئے علمی اور عرفانی بہشت ہے، کیونکہ حقائق و معارف کا عالمِ وحدت یہی ہے، جبکہ یہی وہ مقامِ عالی ہے جہاں خداوندِ قدّوس کی امامِ مُبین کی نورانیّت میں تمام چیزوں کو گھیر کر رکھتا ہے، لہٰذا یہ خدا کا وہ سب سے عظیم خزانہ ہے جس میں بہت سے خزانے جمع ہوتے ہیں، نیز یہ وہ زندہ اور بولنے والی کتاب ہے، جس کی تعریف و توصیف قرآنِ پاک کی متعدد آیات میں موجود ہے۔ الغرض یہاں جو نور ہے اس کی بہت سی مثالیں اور بہت سے اسماء ہیں، کیونکہ قانون یہ ہے کہ جو کوئی جتنے زیادہ کاموں کو جانتا ہے، اس کے اُتنے زیادہ نام ہوتے ہیں۔

۲۔ س: حظیرۂ قُدُس یقیناً علمی بہشت ہے، جس میں انتہائی عظیم اسرار بھرے ہوتے ہیں، پس آپ ہمیں یہ بتائیں کہ حظیرۂ قُدُس میں اہلِ ایمان کا نور کیوں دوڑتا ہے؟ کیوں آہستہ آہستہ

نہیں چلتا؟ ایسی برق رفتاری میں کیا حکمت ہے یا کیا راز ہے؟ (سُورۂ حدید ۵۷: ۱۲۔ سُورۂ تحریم ۶۶: ۸)۔ ج: دُوری یا مسافت دو قسم کی ہوا کرتی ہے: مسافتِ مکانی، اور مسافتِ زمانی، چنانچہ نور میں یہ خدائی طاقت موجود ہے کہ وہ آپ کو زمان و مکان کی قید سے چھڑا کر لامکان تک لے جا سکتا ہے، جہاں یہ مادّی جگہ نہیں جہاں ماضی اور مستقبل بھی نہیں، بلکہ وہاں ہر چیز آپ کی مرضی کے مطابق سامنے آتی ہے۔

جواب کا دوسرا حصّہ: نور کے دوڑنے میں یہ اشارہ بھی ہے کہ نور اُس حظیرۂ قدس میں کام کرتا ہے، جس میں زمان و مکان کی تمام مسافتیں لپیٹی ہُوئی ہیں، لہٰذا اب یہاں تمام مشکل سوالات ختم ہو چکے ہیں، جیسے: یہ پوچھنا کہ قیامت کب برپا ہو گی؟ وہ تو برپا ہو چکی ہے، کتنے آدم ہوئے ہیں؟ وہ تو بے شمار ہوئے ہیں، لیکن آپ کی آسانی کی خاطر حظیرۂ قدس میں ایک ہی آدم ہے، کتنی کائناتیں ہیں؟ بے شمار ہیں، لیکن وہ سب ایک ہی خدا کی تخلیق کردہ ہیں، لہٰذا اللہ نے ان سب کو لپیٹ کر ایک کر دیا ہے، اسی طرح وہ تمام سوالات حظیرۃ القدس میں ختم ہو جاتے ہیں جو کب، کہاں، کتنا، کیسا، کیوں، کون وغیرہ کے ساتھ آتے ہیں۔

۳۔ س: کیا آپ کی معلومات کے مطابق حظیرۂ قدس کُھلی

بہشت ہے یا جُزوی بہشت؟ یا بہشت کا صرف ایک مُشاہدہ، دیدار اور عرفان ہے؟ ــــ ج: یہ دور سے نزدیک لائی گئی اور لپیٹی ہوئی بہشت ضرور ہے، لیکن جس قلیل مدت کے لئے عارف اس میں رہتا ہے، اس کے پیشِ نظر حظیرۂ قدس کو جُزوی بہشت کہنا درست ہوگا، نیز یہ دائمی بہشت کی بُشارت ہے، کیونکہ اصل بُشارت عملی روحانیّت کے ساتھ ہوتی ہے۔

۴۔ س: بحوالۂ حدیثِ نوافل (حدیثِ قدسی)، جب کوئی بندۂ مومن کثرتِ نوافل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، تا آنکہ خدا اس کو محبوب بنا لیتا ہے، یہاں تک کہ اللہ اس کا کان بن جاتا ہے جس سے وہ سُنتا ہے، اور آنکھ بن جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے، اور ہاتھ جس سے وہ پکڑتا ہے، اور پاؤں جس سے وہ چلتا ہے، آپ بتائیں یہ عظیم مرتبہ کب اور کہاں مُیسّر آتا ہے؟ ج: فنافی اللہ کے بعد حظیرۃ القدس میں۔

۵۔ س: اگر انسانِ کامل کی روح آفاقی، کائناتی، ہمہ رس، اور ہر جگہ موجود (OMNI-PRESENT) ہے تو پھر بہشت سے آدم کا ھُبُوط کیسے ممکن ہُوا؟ خواہ یہ ابدی بہشت ہو یا انتہائی ترقی یافتہ سیّارہ یا حظیرۂ قدس؟ ــــ ج: قرآن فرماتا ہے کہ روح عالمِ امر سے آئی ہے (۱۷: ۸۵)، کہ اس کا بالائی سرا عالمِ بالا ہی میں موجود ہے، اور زیرین سرا انسان میں، پس آدم بہشت سے کُلّی طور پر دُنیا

میں نہیں آیا، بلکہ اس کا ایک زندہ سایہ یہاں نازل ہوا، جیساکہ قرآن میں ہے (۱۶: ۸۱) جیسے قرآن لوحِ محفوظ میں بھی ہے اور دُنیائے ظاہر میں بھی (۸۵: ۲۱-۲۲) اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی رسّی کہ اس کا ایک سرا آسمان میں خدا کے پاس ہے، اور دوسرا سرا زمین پر اہلِ ایمان کے ہاتھوں میں ہے، (شرح الاخبار)۔

۶۔ روح کی ایک قدرتی اور عمدہ مثال پانی کے مختلف اجزاء اور ان کے کُلّ (سمندر) کی صورت میں موجود ہے، پانی سمندر میں ٹھہرا ہوا بھی ہے، اور اپنے دائرے میں گردش بھی کر رہا ہے، اگرچہ پانی کی الگ الگ بے حساب شاخیں ہیں، لیکن ان سب میں وہی سمندر کا ایک ہی پانی ہے، اسی طرح روح ہے جو کُلّ اور کُلّیّت کی بہشت میں بھی ہے اور اس سے باہر اجزاء میں بھی ہے، پس اگر روح معرفت سے بہرہ مند ہوگئی تو جانتی ہے کہ یہ بہشت میں بھی ہے، اور اس سے باہر بھی آئی ہے۔

۷۔ اگر کوئی عاشقِ صادق چشمِ بصیرت حاصل کرکے دیکھنا چاہے تو یقیناً یہ حقیقت اُس پر روشن ہو سکتی ہے کہ قرآنِ حکیم میں ہر چیز کے بیان (۱۶: ۸۹) کے ساتھ ساتھ نارِ عشق اور نورِ عشق کا تذکرہ بھی موجود ہے، اگرچہ یہ بات بھی ہے کہ فرشتۂ عشق = جَدّ (۷۲: ۳)، تک رسائی بیحد مشکل ہے، کیونکہ یہ تو صرف سالک کے نفسانی موت کے موقع پر عزرائیل کے ساتھ ہی آتا ہے، تاہم آسمانی

عشق و محبت درجہ بدرجہ ہے، جس کے بغیر روحانیت کی کوئی ترقّی نہیں ہو سکتی ہے۔

۸۔ قرآنِ عظیم اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا معجزہ ہے جو آنحضرت صلعم کو عطا ہوا ہے، اس میں علومِ الٰہی کے اعلیٰ مضامین کی تجلّیات ہیں، اور اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ قرآنِ کریم کی ہر تجلّی انتہائی حیران کُن ہے، چنانچہ قرآنِ عزیز کی تجلّیٔ عشق سے اہلِ دانش حیرت زدہ اور مبہوت ہو جاتے ہیں، کیونکہ اس مضمون میں بڑے عجیب و غریب اسرار پوشیدہ ہیں، مثال کے طور پر یہ انتہائی عظیم راز ملاحظہ ہو جو درجِ ذیل ہے:۔

۹۔ قرآنِ حکیم میں ہے کہ: ہر چیز یعنی ہر موجود خدا کی تسبیح و حمد کرتا ہے (۱۷: ۴۴) ہر کوئی اپنی تسبیح اور نماز کا طریقہ جانتا ہے (۲۴: ۴۱) آسمان اور زمین کی ہر چیز اور ہر مخلوق خدا کے لئے سجدہ کرتی ہے (۱۶: ۴۹) اب سوال یہ ہے کہ ان تمام چیزوں کی مذکورہ عبادت کہاں اور کس طرح ہوتی ہے؟ آیا یہ زبانِ حال سے ہے یا زبانِ قال سے؟ یا دونوں سے ہے؟ جواب: جب فرشتۂ عشق خدا کے حکم سے صُورِ قیامت پھونکتا ہے، جب اللہ تعالیٰ کائنات کو عارف میں لپیٹ دیتا ہے اور ساری مخلوقات بشکلِ ذرّات عالمِ شخصی میں جمع ہو جاتی ہیں تو اس وقت یہ تمام اشیاء ناقورِ عشق کی ہم آہنگی میں عشق کی تسبیح کرتی ہیں، نمازِ عشق

پڑھتی ہیں، اور عاشقانہ سجدہ کرتی رہتی ہیں، اس قانون سے کوئی چیز باہر نہیں، اور اشیائے کائنات کی یہی معجزاتی عبادت حضرتِ داؤد علیہ السّلام کی مبارک ہستی میں بھی ہوتی تھی۔

۱۰۔ س: قیامِ قیامت اور کائنات بھر کی مخلوقات کی مذکورۂ بالا عبادت کا عظیم الشّان معجزہ کن حضرات کو ہوتا ہے؟ اور کس طرح؟
ج: یہ سب سے بڑا معجزہ ہر نبی، ہر ولی، اور ہر عارف کو ہوتا ہے، کیونکہ صراطِ مستقیم کی روحانیت اور معجزات ایک جیسے ہیں، اس کے برعکس اگر انبیا و اولیا علیہم السّلام کے معجزات الگ الگ ہوتے تو عارفین کو نفسِ واحدہ کی معرفت حاصل ہی نہ ہوتی، لہٰذا یہ ماننا بیحد ضروری ہے کہ حضرتِ داؤدؑ اور دوسرے تمام انبیاءؑ معجزۂ عشق میں یکسان تھے، اس کا مطلب یہ ہُوا کہ اگرچہ حضراتِ انبیاء علیہم السّلام کے ظاہری معجزات الگ الگ نظر آتے تھے، لیکن باطنی حقیقت یہ ہے کہ ہر نبی میں جملہ انبیا اور ان کے تمام معجزات جمع ہوتے تھے، درحالیکہ ان حضرات کے فضائل و درجات اپنی اپنی جگہ پر رہیں۔

۱۱۔ س: قرآنِ حکیم میں مضامین یا معانی کی تجلّیات کس طرح ہوتی ہیں؟ کوئی واضح مثال پیش کرکے سمجھائیں ـــــ ج: یہ ایک بہترین مثال بھی ہے اور ایک روشن حقیقت بھی، کہ اللہ تعالیٰ کا ایک اسمِ مبارک الوَدود ہے (۱۱/۹۰، ۸۵/۱۴) جس کے معنی ہیں:

بہت محبّت کرنے والا، بڑا مہربان، اب آپ خود ہی بڑی عمدگی اور احساسِ ذمہ داری سے سوچ کر بتائیں کہ وَدود کی معنوی تجلّی اسمِ "خالق" میں بھی ہوتی ہے یا نہیں، جبکہ وہی خدا جو وَدُود ہے خالق بھی ہے؟ کیوں نہیں، بلکہ اسی عجیب وغریب سِرّی اصول کے مطابق یہ بہت بڑا راز معلوم ہوگیا کہ خداوندِ قدّوس کے ہر اسم میں دیگر اسماء کی ایسی تجلّیاں ہوتی رہتی ہیں، فی الحال اسمِ وَدُود کی بات کرتے ہیں کہ اس کی برکت سے سرتاسر قرآن میں آسمانی عشق ومحبّت کی جلوہ نمائی ہے۔

۱۲۔ حظیرۃ القدس جو علمی وعرفانی بہشت ہے، وہ بخدا گنجِ خدا ہے، ظُہورِ ازل وابد ہے، یہی پاک عمل رجوع اِلَی اللّٰہ، فنا فی اللّٰہ وَبقا باللّٰہ ہے، مَبدا، ومعاد اور اِبداع واِنبعاث بھی یہی ہے، یہی وہ مقامِ اعلیٰ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے تمام حقائق ومعارف کو امامِ مُبین میں گھیر کر رکھا ہے، اسی معنیٰ میں امام قرآنِ ناطق ہے، اور وہ ابرار کا نامۂ اعمال بھی ہے، علّیّین بھی، امامؑ یقیناً وجہُ اللّٰہ (چہرۂ خدا = صورتِ رحمان) ہے، اسی مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرتِ آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا: خَلَقَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (ہزار حکمت، ح ۵۱۹)۔ علمِ لَدُنّی کے درجۂ کمال پر حظیرۃ قدس ہی ہے، لہٰذا اہلِ معرفت ہمیشہ اسی کی طرف دیکھتے ہیں، اور اسی کی روشنی میں مسائل کو حل کرتے

ہیں، آخراً میں یہ کہوں گا کہ خدا، رسولؐ، ولیِؑ امرؑ کی اطاعت بیحد ضروری ہے، اور یہ اطاعت ایسی خاص اور نازک ہے کہ علم وحکمت اور عشق ومحبّت کے سوا آگے نہیں بڑھتی ہے۔

نصیر الدّین نصیرؔ (حُبِّ علی)، ہونزائی
کراچی
بریسپٹ ۱۹؍ رجب المُرجّب ۱۴۱۸ھ ۲۰؍ نومبر ۱۹۹۷ء

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

کتابِ شرحُ الاخبار

حضرتِ سیّدنا قاضی نعمان کے انمول خزائنِ علمی میں سے ایک بڑا فیض بخش خزانہ کتابِ شرحُ الاخبارِ فی فضائلِ الأئمّۃِ الاطہار ہے، یہ کتابِ مستطاب سولہ اجزاء پر مشتمل ہے، اور تین جلدوں میں ایران سے چھپ کر شائع ہوئی ہے، مجموعی صفحات یہ ہیں :

۴۹۶ + ۶۱۱ + ۵۹۹ = ۱۷۰۶۔

اس کتابِ عزیز کی جلدِ اوّل، ص ۸۹ پر یہ مشہور حدیث درج ہے : انا مدینۃُ العلمِ وعلیٌّ بابُھا۔ ترجمۂ اوّل : میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ ترجمۂ دوم : میں علم (قرآن مجید) کا شہر ہوں اور علی اس کا (راستہ اور) دروازہ ہے۔ ترجمۂ سوم : میں (اپنی نورانیّت میں)، علم القرآن کا شہر ہوں اور علی (نورِ امامت) اس کا راستہ، راہنما، اور دروازہ ہے۔

اے عزیزِ من! اے نورِ عینِ من! یہ کلیدی حکمت ہمیشہ کے لئے یاد رکھنا کہ جس طرح قرآنِ پاک کی ایک آیت دوسری آیت

کی تفسیر کرتی ہے، اور خود آیت کے آخری حصّے میں بھی پہلے حصّے کی تفسیر موجود ہوتی ہے، اسی طرح ہر حدیثِ صحیحہ میں بھی چند آیاتِ کریمہ کی حکیمانہ تفسیر ہوتی ہے، چنانچہ مذکورۂ بالا حدیثِ شریف کئی آیاتِ مبارکہ کی تفسیر ہے، مثال کے طور پر یہاں چند سوالات درج کرتے ہیں:۔

س: ① بنی اسرائیل سے فرمایا گیا تھا: تم سجدہ کُناں اس دروازے سے داخل ہو جاؤ (۲: ۵۸)۔ کیا حضرتِ ہارونؑ حضرتِ مولا علی کی طرح شہرِ علم کا دروازہ تھا، اور حضرتِ موسیٰؑ اپنے زمانے میں علم کا شہر؟ آپ خوب سوچ کر اس کا جواب دیں۔ س: ② اگر دین کے بُنیادی اُمور میں اللہ تعالیٰ کی سُنّت ایک جیسی ہے تو سب سے پہلے آدمؑ علم کا شہر رہا ہوگا، اس صورت میں بتائیں کہ آدمؑ کا باب (دروازہ)، کون تھا؟ س: ③ حضرتِ نوحؑ، حضرتِ ابراہیمؑ، اور حضرت عیسیٰؑ کے ابواب کون تھے؟ س: ④ آیا قرآن میں ہے کہ اللہ کے نور کی مَثَل مشکوٰۃ (طاق)، کی طرح ہے (۲۴: ۳۵) جس میں چراغ رکھا جاتا ہے؟ کیا یہ کہنا درست ہے کہ طاق و چراغ کسی گھر میں ہوتا ہے، اور کوئی گھر دروازے کے بغیر نہیں؟ پس ظاہر ہے کہ یہ حق تعالیٰ کا باطنی گھر ہے جس کا بابِ اقدس رسولِ اکرمؐ ہیں، آنحضرت کا باب اساس، اساس کا باب امام، امام کا دروازہ حُجّتِ اعظم، اور اسی طرح ذیلی حدود ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے: وَأْتُوا

البیوتَ مِن ابوابھا (۲: ۱۸۹) اور دینی گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہوا کرو۔

س: ⑤ آیا یہ چراغِ نورانی انبیا و اولیا علیہم السّلام اور مومنینِ بایقین کے عوالمِ شخصی کے گھروں میں روشن ہوتا رہا ہے؟ فِی بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ سے آخر تک (۲۴: ۳۶) دیکھیں، ایسی عالی شان خدائی تعریف کن گھروں کے بارے میں ہو سکتی ہے؟۔ س: ⑥ سُورۂ حدید کے ایک ارشاد (۵۷: ۱۳) کے مطابق ظاہر و باطن کے درمیان دیوار ہے، اور اس میں ایک دروازہ بھی ہے، آپ بتائیں اس میں کیا حکمت پوشیدہ ہے؟۔ س: ⑦ سُورۂ طور (۵۲: ۴) میں بیت المعمور کا ذکر آیا ہے، جس کے معنی ہیں آباد گھر، جو آسمانِ روحانیت پر ہمیشہ نورانی علم سے آباد ہے، کیا ایسا گھر حظیرۂ قدس ہو سکتا ہے؟

الغرض احادیثِ صحیحہ قرآنِ مقدّس کے وہ باکمال اور بیمثال تفسیری اور تاویلی خزائن ہیں، جو صاحبِ جوامعُ الکلم اور قرآنِ ناطق یعنی رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی زبانِ معجز بیان سے ہونے کی وجہ سے جامعیّت میں لاجواب اور انتہائی قابلِ ستائش ہیں، پس حضورِ اکرمؐ کا یہ ارشادِ گرامی "انا مدینۃُ العلمِ وعلیٌّ بابُھا" تاویلاتِ جامعہ کا زبردست کُلیہ ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ یہ حدیث شریف اِس آیۂ کریمہ "وَکُلَّ شیءٍ احصینٰہ فِی امامٍ مُّبین" کی

روشن ترین تفسیر و تاویل ہے۔

مذکورۂ بالا حدیث شریف کی دور رس اور ہمہ گیر حکمتوں کا احاطہ ہم کیسے کر سکتے ہیں، جبکہ یہ صاحبِ جوامع الکلم کا کلامِ حکمت نظام ہے، لیکن صرف نمونہ اور مثال کے طور پر دیکھئے ایک اور حکمت کہ شہر اور گھر کا تذکرہ قرآن میں کس طرح ہے، چنانچہ سورۂ یونس (۱۰: ۸۷) میں ہے: اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی (ہارون) کی طرف وحی کی کہ اپنی قوم کے لئے مصر (شہرِ عالمِ شخصی) میں گھر بناؤ اور اپنے ان گھروں کو (روحانی ترقی سے) خانۂ خدا بناؤ اور نماز قائم کرو اور مومنین کو بشارت دو۔ اگر ہم حکمت کی روشنی میں دیکھ سکتے ہیں تو اس میں یہ واضح اشارہ موجود ہے کہ پیغمبرؐ اور امامؑ خدا کے حکم سے مومنین کو عالمِ شخصی میں ترقی دیکر حظیرۂ قدس تک پہنچا سکتے ہیں، کیونکہ صرف اسی مقام پر مومنین کا گھر اللہ کا گھر بن سکتا ہے۔

الحمد للہ ربّ العالمین۔

نصیر الدّین نصیرؔ (حُبِّ علی)، ہونزائی
کراچی

اِدِت ۲۲، رجب المرجّب ۱۴۱۸ھ ۲۳، نومبر ۱۹۹۷ء

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

حاملانِ عرش کون ہیں؟

سوالِ اوّل؛ حاملانِ عرش کتنے ہیں؟ قیامت کے دن سات ہوتے ہیں یا آٹھ؟ اگر آپ کا کہنا ہے کہ آٹھ ہوتے ہیں تو تفصیلاً بتائیں کہ حقیقت کس طرح سے ہے؟

سوالِ دوم؛ قرآنِ حکیم کے دو مقام پر حاملانِ عرش کا ذکر آیا ہے (۴۰/۷ ، ۶۹/۱۷)، ان تمام الفاظ کے معانی غور سے دیکھ لیں، اور ہمارے نہایت ضروری سوالات کے جوابات مہیا کریں، اب آپ یہ بتائیں کہ حاملانِ عرش فرشتے ہیں یا انسانانِ کامل؛ وہ آسمان پر ہیں یا زمین پر؟ وہ کس طرح حضرتِ ربّ کے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں؟

سوالِ سوم، عرش کے گرداگرد جو فرشتے ہیں، کیا وہ طواف کرتے ہیں؟ کیا یہی عرش بیت المعمور بھی ہے؟ حاملانِ عرش کس طرح اپنے پروردگار کی تسبیح کرتے ہیں؟ ایمان کا درجۂ کمال کیا ہے؟ وہ کن لوگوں کے لئے استغفار کرتے ہیں؟

ISW Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

سوالِ چہارم : آیا ہر چیز کے ظاہر و باطن میں رحمت اور علم موجود ہے؟ بتائیں وہ کس طرح سے ہے؟ ایسا ہمہ گیر اور کائناتی علم کس مقصد کے پیشِ نظر ہے؟ آیا یہ بات درست ہے کہ اہلِ بصیرت آسمان زمین کی ہر چھوٹی بڑی چیز میں علم کو دیکھتے ہیں؟ قرآن کی ہر چیز میں رحمت اور علم کس طرح ہے؟

سوالِ پنجم : توبہ کا آخری درجہ کیا ہے؟ توبہ اور راہِ خدا کی پیروی میں کیا مناسبت ہے؟ عذابِ دوزخ سے بچنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ عدن کے کیا معنی ہیں؟ بہشت کے باغات کن معنوں میں ہمیشہ ہیں؟ آیا دائمی بہشت میں اہلِ بہشت بھی ہمیشہ ہیں؟ "ہم بہشت سے باہر آئے نہیں ہیں، یہ تو ہمارا سایہ ہے"۔ یہ قول کس عظیم صوفی کا ہے؟

سوالِ ششم : تو بکُل بینا نہ ای زانکہ تو بیراہ ماندہ ای، تو بکُل بینا شوی جان و جسد یکسانِ تست۔ مفہوم : تو اپنے کُل کو دیکھ نہیں سکتا، اسی وجہ سے تو راہ یاب نہیں ہے، جب تو کُل کو دیکھے گا اور پہچان لے گا، تو کہنے لگے گا کہ میں روح بھی ہوں اور مادّہ بھی، یعنی میں خود کُل ہوں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ تو بہشت میں بھی ہے، اور اس سے باہر بھی۔ بتائیے کہ یہ شعر کس کا ہے؟

نصیر الدّین نصیرؔ (حُبّ علی) ہونزائی۔ کراچی ۲۹ نومبر ۱۹۹۷ء

نوٹ، یہ درس بیحد ضروری ہے۔

سُورۂ تین کے بارے میں حکمتی سوالات

سوالِ اوّل: آپ نے سورۂ تین کے معنی میں خوب غور کیا ہو گا، اور اس کے آغاز کی تین آیاتِ کریمہ کی تاویل کتابِ وجہِ دین، کلام اامیں پڑھی ہو گی، تو بتائیں وہ تاویل کیا ہے؟ آیا یہ حقیقت آپ کو معلوم ہے کہ قرآنِ حکیم میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ نے پُرحکمت قسمیں کھائی ہیں، وہاں انتہائی عظیم اسرار پوشیدہ ہُوا کرتے ہیں؟

سوالِ دوم: اللہ جلّ جلالہٗ نے عقلِ کُلّ، نفسِ کُلّ، ناطقؑ اور اساسؑ کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا ہے کہ اُس نے انسان کو تقویمِ احسن میں پیدا کیا ہے، کیا اس سے ہر انسان مُراد ہے؟ تقویم کے معنی و مفہوم کیا ہیں؟ انسان کی یہ تخلیق جسمانی ہے یا روحانی؟ آیا یہ تصوّر درست ہے کہ انسان کی تخلیق عالمِ شخصی کی ارتقائی سیڑھی پر زینہ بزینہ اور درجہ بدرجہ ہوتی جاتی ہے، تاآنکہ بالآخر یہ حظیرۂ قدس میں پہنچ کر اپنے باپ آدم کی طرح رحمان کی صورت پر ہو جاتا ہے؟

سوالِ سوم: قرآن اور اسلام میں ارتقائی سیڑھی (معراج،

معارج) کی اہمیت کس طرح بیان ہوئی ہے؟ کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے سب کو روحاً نفسِ واحدہ کی حیثیت میں ارتقائی سیڑھی سے بلند کیا، اور جسماً اسفل سافلین میں پلٹا دیا؟ اب آپ یہ بتائیں کہ جن لوگوں نے حقیقی معنوں میں ایمان لایا اور علم کی روشنی میں نیک کاموں کو انجام دیا، وہ دراصل عالمِ عُلوی میں ہیں یا عالمِ سِفلی میں؟

سوالِ چہارم: تقویم کے لفظی معنی ہیں سیدھا کرنا، جس سے درجات یا حدودِ دین کی سیڑھی مراد ہے، اس کو آپ ارتقائی سیڑھی بھی کہہ سکتے ہیں، لیکن پوچھنا یہ ہے کہ آیا ایسی سیڑھی روح کے لئے ہے یا جسم کے لئے؟ کیا یہ نظریہ درست ہے کہ اگرچہ انسان سب کے سب روحانی اعتبار سے نفسِ واحدہ کی بہشت میں ہیں، لیکن اس کی بے پایان خوشی صرف انہی لوگوں کو حاصل ہے، جو ایمان کی پختگی، علم کی رسائی، اور حسنِ عمل کی بناء پر اہلِ یقین میں سے ہو گئے ہیں؟

نصیر الدّین نصیرؔ (حُبِّ علی) ہونزائی
کراچی ۳۰ ر نومبر ۱۹۹۷ء

نوٹ:۔ یہ درس بیحد ضروری ہے، کیونکہ اس میں یہ انتہائی عجیب و غریب حقیقت ہے کہ انسان بہشت میں بھی ہے اور دنیا میں بھی۔

اگر آپ سے پوچھا جائے

۱۔ اگر آپ سے پوچھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی سُنّت کا ذکر جن آیاتِ قرآنی میں آیا ہے، وہ کُل کتنی ہیں؟ تو بتا دینا کہ ایسی آیاتِ کریمہ کی تعداد ۶ (چھ) ہے، اور اگر اس کے ساتھ ساتھ یہ سوال بھی ہو کہ سُنّتِ الٰہی سے کیا مُراد ہے؟ تو جواب دینا کہ سُنّۃ اللہ کا مطلب ہے اللہ کا دستورِ حکمت اور قانونِ قدرت۔

۲۔ اگر آپ سے پوچھا جائے کہ اللہ جلّ جلالہ کی سُنّت کی معرفت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکتی ہے تو کہاں اور کس طرح؟ اس مسئلہ کے جواب میں کہہ دیجئے کہ ہاں، سُنّتِ الٰہی کی معرفت ہو سکتی ہے، اور ہر قسم کی معرفت کا مقام عالمِ شخصی ہی ہے، اس کا طریقِ کار اللہ کے نیک بندوں کی خودشناسی ہے، کہ اس سے جب ربِّ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے تو پھر اس کی سُنّت کی معرفت کیوں حاصل نہیں ہوتی۔

۳۔ اگر پوچھا جائے کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ عارف کو عالمِ شخصی

میں سُنّتِ الٰہی سے متعلّق تمام گزشتہ اور آئندہ واقعات کا مشاہدہ ہوتا ہے، جس کا نتیجہ معرفت ہے؟ آپ یوں جواب دیں کہ بحکمِ سُنّتَ اللہِ الّتی قد خلت فی عبادہٖ (۸۵/۴۰)، یہ حقیقت ثابت اور روشن ہے کہ خدا کی سُنّت اس کے خاص بندوں کے عالمِ شخصی میں ظہور پذیر ہوتی ہے، کیونکہ " فی عِبادِہٖ " (اس کے خاص بندوں کے اندر) کا مطلب یہی ہے۔

۴۔ اگر یہ سوال ہو کہ پروردگارِ عالم کی سُنّت وہ عملی قانون ہے جو ساری کائناتوں اور تمام زمانوں پر محیط ہے، پھر اس کا احاطہ عارف کا عالمِ شخصی کس طرح کر سکتا ہے؟ آپ بطورِ جواب یہ بتا دینا کہ خدائے قادرِ مطلق عارف کے باطن میں تمام لطیف اشیاء کو ملفوف و محدود کر دیتا ہے، جبکہ اس کی ذاتی قیامت قائم ہو جاتی ہے۔

۵۔ اگر کوئی آپ سے یہ پوچھے کہ زمانۂ آدم سے لے کر آج تک دنیا بدلتی ہوئی آئی ہے اور بدلتی رہے گی، اور دینِ فطرت کے بارے میں بھی یہ کہا جاتا ہے کہ یہ حَرَکیاتی / حَرَکی (DYNAMIC) ہے، جبکہ قرآنِ پاک کا ارشاد ہے کہ اللہ کی سنّت میں کوئی تبدیلی نہیں، تو بتائیں کہ اس میں کیا راز ہے؟ آپ جواباً یہ کہیں کہ با این ہمہ دین کے اساسی امور اور باطنی معجزات ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی سُنّت کے مطابق ایک جیسے ہیں، اور ان میں کوئی تغیّر و تبدّل ممکن ہی

نہیں، اہلِ دانش کے لئے اس حقیقت کی ایک بڑی جامع مثال آیۂ مبارکہ شَرَعَ لکم مِنَ الدّین..... (۴۲/۱۳) میں موجود ہے۔

۶۔ اگر وہ سائل یہ بھی پوچھے کہ ایسے باطنی معجزات کہاں ہیں، جن میں ذرا بھی تبدیلی نہیں، لہٰذا وہ ہمیشہ خدا کی سُنّتِ بے بدل کے مصداق ہیں؟ آپ اس کا جواب اس طرح سے دیں کہ جملہ باطنی معجزات عالمِ شخصی میں ظہور پذیر ہوتے ہیں، علی الخصوص حظیرۃ القدس میں کُل معجزے جمع ہیں، جیسے ارشاد ہے: وَکُلَّ شَیْءٍ اَحصَینٰہُ کِتٰبًا۔ اور ہم نے ہر چیز کو ایک کتاب میں گھیر کر رکھا ہے (۷۸/۲۹) اس سے حظیرۂ قدس مراد ہے جو حضرتِ امام علیہ السّلام کا نورِ اقدس ہے۔

۷۔ اگر آپ سے یہ پوچھا جائے کہ قرآنِ حکیم میں عالمِ شخصی کا ذکر کہاں ہے؟ تو آپ یہ بتائیں: دیکھئے سورۂ مومن (۸۵/۱۹)، سُورۂ حٰمٓ سجدہ (۵۳/۴۱)، اور سورۂ ذاریات (۵۱/۲۰-۲۱)، یہ قرآنِ پاک کے کم سے کم حوالے ہیں، اور عالمِ شخصی کا تذکرہ اِس حدیثِ شریف میں بھی ہے: اعرفُکم بنفسہٖ اعرفُکم بربّہ = تم میں جو سب سے زیادہ اپنے آپ کو پہچانتا ہے وہی شخص تم میں سب سے زیادہ اپنے پروردگار کو پہچانتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ مولا علیؑ کا ارشاد بھی ہے: من عرف نفسہ فقد عرف ربّہ = جس نے اپنے آپ کو پہچانا یقیناً اُس نے اپنے ربّ کو پہچان لیا۔ یہ سب حوالہ

جانت عالمِ شخصی سے متعلق ہیں، کیونکہ سُنّتِ الٰہی کا ظہور اور ہر گونہ معرفت اسی میں ہے۔

۸۔ اگر پھر یہ سوال ہو کہ باطنی معجزات اور اللہ کی سُنّت کے بارے میں وضاحت ہو گئی، لیکن ظاہرًا دین کے بُنیادی امور میں سُنّتِ الٰہیہ ہمیشہ کس طرح یکسان اور بے بدل رہی ہے؟ آپ اس کا جواب یوں دیجئے کہ اس سلسلے میں سب سے اہم اور سب سے قابلِ توجّہ بات تو یہ ہے کہ خداوندِ قدّوس نے دین کی بنیاد خلافت وجانشینی پر قائم و مستحکم کر دی، جبکہ خدا نے آدم علیہ السّلام کو اپنا خلیفہ بنایا، اور اگر اللہ تعالیٰ کے اس امرِ خلافت میں یہ منشاء اور یہ اشارہ نہ ہوتا کہ ”اِس سُنّتِ الٰہی کے مطابق دَورِ اعظم میں تا زمانِ قیامۃ القیامات خلافتِ انبیاء و ائمّہ علیہم السّلام کا سلسلہ چلتا رہے گا“، تو خود ذاتِ سُبحان کے لئے کسی خلیفے کا ہونا عقل کے نزدیک ازبس عجیب مسئلہ ہوتا۔ پس اس بے مثال قرآنی دلیل سے یہ معلوم ہوا کہ امامِ برحق علیہ السّلام جو قرآنِ ناطق بھی ہے، اور اللہ کی نورانی رسّی بھی، وہ خلافتِ الٰہیہ کی سُنّتِ قائمہ بھی ہے کہ اس کے نورٌ علیٰ نور کا سلسلۂ مبارکہ حضرتِ آدمؑ سے چلا آیا ہے، کیونکہ یہ امامِ آلِ محمدؐ اور اولادِ علی ہے۔

۹۔ اگر آپ سے یہ مزید سوال کیا جائے کہ بتائیں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سُنّتِ طیّبہ کی کیا تعریف ہے؟ آپ اس

اہم سوال کا جواب اس طرح سے دیں کہ حضورِ انورؐ ظاہراً و باطناً قرآنِ ناطق تھے، اس لئے آپؐ کی سُنّتِ طیّبہ اللہ تعالیٰ کی پاک سُنّت کی مظہر ہوگئی تھی، جیسے سورۂ قلم (۶۸: ۴) میں ارشاد ہے: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ = اور بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو۔ خُلُق کا اصل ترجمہ ہے: عادت (سُنّت)، خلق، سیرت، پس اسی قرآنی ارشاد میں حضرتِ سیّد الانبیاءؐ کے اخلاقِ عالی اور سُنّتِ طیّبہ کی تعریف ہے، جو آپؐ کی ذاتِ پاک میں تھی، چونکہ آپؐ خاتم الانبیاء تھے (۳۳: ۴۰) اس لئے آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوا، لیکن نورٌ علیٰ نور کا سلسلہ ہمیشہ جاری ہے، یعنی امامِ برحقؑ پیغمبرِ اکرمؐ کا جانشین ہے، یہ جانشینی وہی خلافتِ کُبریٰ ہے، جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے حضرتِ آدمؑ کو عطا ہوئی تھی۔

۱۰۔ یہ عقیدت بالآخر حقیقت بن جاتی ہے کہ خاص مومن بندے کا قلب اللہ تعالیٰ کا عرش (تختِ شاہی) ہے، جیسے حدیثِ قدسی کا ارشاد ہے: ما وَسِعَنِی ارضی ولا سمائی وَوَسِعَنِی قلب عبدی المؤمن (المعجم الصّوفی، ص ۱۲۶۵) میری زمین مجھ کو نہ سما سکی نہ میرا آسمان مجھ کو سما سکا لیکن میرے مومن بندے کے دل نے مجھ کو سما لیا۔ اس سے یہ حقیقت روشن ہوگئی کہ عالمِ اکبر سے عالمِ اصغر (عالمِ شخصی) افضل و اعلیٰ ہے، یہاں یہ بھی معلوم ہوا

کہ سلسلۂ نبوت کے ساتھ بھی اور اس کے بعد بھی سلسلۂ امامت کا ہونا ازبس ضروری ہے، کیونکہ انبیا و أئمہ علیہم السّلام ہی کے عالمِ شخصی میں خداوندِ قدّوس کی عرفانی تجلّی ہوتی ہے، تاکہ عارفین اپنے ربّ کو پہچان سکیں، اور سُنّتِ الٰہی کو چشمِ بصیرت سے دیکھیں۔

۱۱۔ اللہ تعالیٰ کی سُنّت میں انبیا و اولیا علیہم السّلام کے لئے انتہائی عظیم نعمتیں ہیں، مثلاً شروع سے لے کر آخر تک واقعۂ قیامت کے اسرار سے آگہی، عالمِ شخصی کے باطنی مشاہدات و تجربات، حضرتِ آدمؑ کا روحانی اور تاویلی قصّہ، اور اسی طرح انبیائے قرآن کے روحانی سفر کا تجربہ اور عرفان، ربّ العزّت کا دیدارِ اقدس اور کلامِ پاک، حظیرۂ قدس کے سب سے عظیم اسرار، نامۂ اعمال کے عجائب و غرائب، آسمانوں اور زمین کی تمام پھیلی ہوئی چیزوں کا مرکوز ہو جانا، دستِ قدرت کا مسلسل کائنات کو لپیٹتے اور پھیلاتے رہنا، الغرض خداوندِ قدّوس کی سُنّت میں ایسی بے شمار نعمتیں ہیں، اور ان سب میں دائمی بہشت کی عملی خوشخبری ہے۔

۱۲۔ خدائے قادرِ مطلق نے امامِ اقدسؑ میں تمام پیغمبروں کے باطنی معجزات کو جمع کیا ہے، یہی معجزات سُنّتِ الٰہی کے ظہورات بھی ہیں، اور اس عظیم ترین کُلیّۂ امامت سے کوئی لطیف چیز باہر نہیں، جیسا کہ قلبِ قرآن (۳۶: ۱۲) میں ارشاد ہے: وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ = اور ہم نے ہر چیز کو امامِ مبین

میں گھیر کر رکھا ہے۔ اہلِ دانش کے سامنے یہ حقیقت روشن ہے کہ اس بولنے والے ربّانی خزانے میں ہر چیز کے ساتھ ساتھ رسولِ اکرمؐ کی زندہ سُنّت بھی محفوظ دموجود ہے۔

۱۳۔ اے مومنین و مومنات! آپ اس انتہائی عظیم سعادت کو حاصل کرنے کے لئے سخت کوشش کریں کہ آپ جیتے جی "فنا فی الامام" کے گنجِ گرانمایہ کو پا سکیں، تاکہ حضرتِ امام علیہ السّلام خود بعنوانِ علّیّین (۸۳: ۱۸-۲۱) آپ کا نامۂ اعمال ہو جائے، تب ہی آپ نورِ معرفت کی روشنی میں بخوبی دیکھ سکیں گے کہ مولا کس طرح کتابِ ناطق ہے (۲۳/۶۲ ، ۴۵/۲۹) اور کن معنوں میں اللہ تعالیٰ نے اس کی ذات میں تمام لطیف چیزوں کو گھیر کر رکھا ہے (۳۶: ۱۲)، ایسے نامۂ اعمال کی برکت سے آپ ناطقان، اساسان، امامان، اور حجتان کے ساتھ ہوں گے (۴: ۶۹)۔

۱۴۔ یہ نامۂ اعمال وہ ہے جس کی تعریف و توصیف خود اللہ تعالیٰ ہی نے فرمائی ہے، جبکہ ارشاد ہوا کہ یہ نامۂ اعمال خدا کی بولنے والی کتاب بھی ہے، اور شرف و برتری کی وجہ سے اللہ کے قُربِ خاص میں بھی ہے، وہ سچ سچ بولتی ہے، یعنی اس کا علم و حکمت صداقت اور حقیقت کی انتہائی بلندی پر کیوں نہ ہو، جبکہ وہ حضرتِ ربّ العزت کی کتابِ ناطق ہے، اور اِس کا کلام اللہ کا کلام ہے، اس لئے وہ صفتِ عدل سے بھرپور ہے، نیز اس نامۂ اعمال اور بولنے والی

کتاب کو علّیّین کا نام دیا گیا ہے، جس کے معنی میں اگرچہ علماء کو اختلاف ہے، تاہم یہ حقیقت ہے کہ اس سے عقلِ کُلّ، نفسِ کُلّ، ناطق، اور اساس مراد ہیں کہ کتابِ ناطق کی اصل یہی سب سے اعلیٰ مراتب ہیں، اور یہ چاروں درجات مجموعاً علّیّین بھی ہیں اور کتابِ مرقوم بھی، جس میں ابرار کی کتابِ اعمال یا کتابِ ناطق رکھی ہوئی ہے، اس کا مطلب یہ ہُوا کہ یہ بالآخر ایک ہی کتاب ہے۔

نصیر الدّین نصیرؔ (حُبِّ علی) ہونزائی
کراچی
منگل ۸، شعبان المعظّم ۱۴۱۸ھ ۹، دسمبر ۱۹۹۷ء

تاویل کے مُترادفات اور مقامات

۱۔ آپ جیسے اہلِ دانش کو معلوم ہے کہ قرآنِ حکیم میں حقائق و معارف کی مثالیں طرح طرح سے بیان کی گئی ہیں (۱۷/۸۹، ۱۸/۵۴)، چنانچہ تاویل کی ایک بڑی عمدہ مثال یا ایک خوبصورت نام "نعمت" ہے، جس کا اوّلین تذکرہ اُمّ الکتاب (سورۂ فاتحہ) میں وہاں موجود ہے جہاں آپ پڑھتے ہیں: صراط الذین انعمت علیھم (اُن لوگوں کا راستہ جن کو تو نے اپنی نعمتوں سے نوازا ہے) یعنی آپ از خود نہیں بلکہ آسمانی تعلیم کے مطابق خداوندِ قدوس سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ مہربان آپ کو ناطقوں، اساسوں، اماموں اور حجّتوں کے راستے پر چلنے کی ہدایت اور ہمّت عطا فرمائے (۴/۶۹)، تاکہ آپ کو ان حضرات کی اور ان کی نعمتوں کی معرفت حاصل ہو، اور تاویل کی نعمت ان نعمتوں سے مُستثنا کیونکر ہو سکتی ہے۔

۲۔ آپ سُورۂ حِجر (۱۵/۲۱) میں دیدۂ دل سے دیکھ لیں، یعنی آیۂ قانونِ خزائن کو چشمِ بصیرت سے دیکھ کر بتائیں کہ آیا یہاں اس

قانون کے تحت ہر نعمت کا نام "شئ" نہیں ہے؟ کیا اللہ کی تمام نعمتیں اس کے خزائن سے نازل ہونے والی اشیاء نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو یہ کہنا بالکل درست ہے کہ تاویل بھی انہی آسمانی اشیاء میں سے ایک مبارک شئ ہے، پس معلوم ہوا کہ تاویل کے ناموں میں سے ایک نام نعمت اور دوسرا نام شئ ہے، لیکن فرق ظاہر کرنا ہوگا کہ کونسی شئ ہے؟ جواباً عرض ہے کہ خدا کے خزانوں سے روحانی، نورانی، علمی، عقلی، اور عرفانی چیزیں نازل ہوتی رہتی ہیں لہٰذا تاویل بھی ایک ایسی شئ ہے۔

۳۔ جو نیک بخت لوگ دُعائے اِھْدِنَا...... کے مطابق صراطِ مستقیم پر گامزن ہو کر امامؑ، رسولؐ، اور اللہ میں فنا ہو جاتے ہیں، ان کو لدنی خزائنِ تاویل حاصل ہو جاتے ہیں، اور یہ سب سے بڑی کامیابی ہے (ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ) ان کے نزدیک تاویل کی بہت سی مثالیں اور بہت سے نام ہوتے ہیں کیونکہ ربِّ کریم کے فضل و کرم سے ان کے لئے روحانیت اور قرآن کا ہر دروازہ مفتوح رہتا ہے۔

۴۔ سورۂ رحمان میں شروع سے لیکر آخر تک اللہ تبارک و تعالیٰ کی ان عظیم نعمتوں کا تذکرہ ہے، جو جِنّ و انس کے لئے پیدا کی گئی ہیں، اور ایسا ہوشمند شخص کون ہوگا جو کہتا ہو کہ ان آلاء (نعمتوں) میں تاویلی نعمت کسی طرح سے بھی موجود نہیں، یہ بات تو ہو ہی نہیں سکتی۔

۵۔ سورۂ لقمان (۳۱/۲۰) میں جس طرح ارشاد ہوا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے اہلِ ایمان کے لئے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو مسخّر کر دیا ہے اور اپنی تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں ان پر پوری کر رکھی ہیں۔ اس ارشاد سے متعلّق بزرگانِ دین کا یہ قول ایک روشن حقیقت ہے کہ تاویل باطنی نعمتوں میں سے ہے، اور اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ یہ ساری نعمتیں بحدِّ قوّت عطا ہو چکی ہیں، اور بحدِّ فعل عطا ہونے والی ہیں۔

۶۔ قرآنِ حکیم میں جہاں جہاں ثمر یا ثمرات کا ذکر آیا ہے، وہاں تاویل کا نام بھی ثمر ہے، کیونکہ ثمر (پھل = میوہ) اپنی حد تک شیرین ہے اور تاویل جو میوۂ بہشت ہے وہ بیحد شیرین ہے، اسی مناسبت سے ہر میوۂ شیرین تاویل کی مثال ہے اور شہد، جو پھلوں اور پھولوں کے رس سے بنتا ہے، وہ بطورِ خاص تاویل کی مثال ہے۔

۷۔ سورۂ نحل (۱۶/۶۹) میں یہ جو ارشاد ہے: فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ۔ اس میں لوگوں (کے کئی امراض) کی شفا ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ لوگ اپنے امراضِ باطن کا علاج تاویلی شہد سے کر لیا کریں، کیونکہ بیماری نہ صرف جسم ہی کو ہوتی ہے، بلکہ مرض روح اور عقل کو بھی ہوتا ہے، جس کی بہترین دوا عسلِ تاویل ہی ہے۔

۸۔ سورۂ یاسین کے قلبِ قرآن ہونے میں بہت بڑا راز ہے، اسی سورہ میں یہ بہت بڑا کلیہ ہے: وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ (۳۶/۱۲)، اور ہم نے ہر چیز کو ایک پیشوائے ظاہر میں گھیر کر رکھا ہے۔ یہ وہ مقامِ عالی ہے جہاں خدائے تعالیٰ دستِ قدرت سے آسمانوں اور زمین کو ہمیشہ لپیٹتا رہتا ہے، ایسے میں خدا کے بابرکت ہاتھ اور پُر حکمت فعل کی وجہ سے ہر قسم کے شر کا خاتمہ ہو جاتا ہے (۳/۲۶)، اور صرف خیر ہی خیر باقی رہتی ہے، جس سے حظیرۂ قدس اور تاویلِ محضِ مُجرّد کا ظہور ہوتا ہے، اور ذیلی طور پر جتنی بھی تاویلات ہیں، ان سب کا رُخ اسی خزانۂ خزائنِ الٰہی کی طرف ہوتا ہے، الغرض امامِ مبینؑ میں ہر لطیف چیز کے ساتھ ساتھ بدرجۂ اعلیٰ قرآنی تاویل بھی ہے۔

۹۔ علم، رحمت، اور برکت قرآنِ عزیز کے ایسے کائناتی معانی ہیں کہ ان میں لازماً تاویل کے معنی بھی ہیں، مثال کے طور پر آپ سورۂ یوسف میں دیکھ سکتے ہیں کہ حضرتِ یوسفؑ جو امام تھا، ان کے علمُ التّاویل نے اہلِ مصر کے لئے کتنا مفید کارنامہ سر انجام دیا، اس کی ہدایت لوگوں کے حق میں رحمت ثابت ہوئی کہ جس سے وہ قحط کی بدترین موت سے بچ گئے، اور حضرتِ یوسفؑ کا وزیرِ خزانہ بن جانا ملکِ مصر کے لئے باعثِ برکت تھا۔

۱۰۔ تاویل دراصل علم الآخرت ہی ہے، اس کے ہونے میں بہت سے فوائد ہیں، اور نہ ہونے میں بہت سے نقصانات، سورۂ نمل میں دیکھئے؛ بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم تھک

کر رہ گیا، بلکہ یہ لوگ اس سے شک میں ہیں، بلکہ یہ اس سے اندھے بنے ہوئے ہیں (۲۷ / ۶۶)۔

۱۱۔ یقین، معرفت، حکمت، اور تاویل اصلاً ایک ہی حقیقت ہے، جس کے تین بڑے طویل مراحل ہیں، ایک ظاہر میں ہے اور دو باطن میں، جیسے آپ کہتے ہیں: علم الیقین، عین الیقین، اور حق الیقین، پس یہی یقین اسی طرح معرفت، حکمت، اور تاویل بھی ہے۔

۱۲۔ عالمِ شخصی سراسر تاویلی عجائب و غرائب سے مملو ہے، جس کا دروازہ ذاتی قیامت سے کھل جاتا ہے، تاہم نورانی خوابوں کا سلسلہ پہلے ہی سے شروع ہو جاتا ہے، جو روحانیت اور تاویل کا حصہ ہیں، روحانی ترقی کی اصل و اساس محمدؐ و آلِ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین) کی پاک محبت ہے، اسی مقدس محبت میں دین کے تمام اسرار پوشیدہ ہیں۔

۱۳۔ سورۂ ذاریات (۵۱: ۲۰ - ۲۲) میں ارشاد ہے: اور اہلِ یقین کے لئے زمین میں بہت سی آیاتِ قدرت ہیں، اور خود تمہاری ذات میں بھی، اور کیا تم کو دکھائی نہیں دیتا؟ اور تمہارا رزق اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ سب (یعنی قیامت) آسمان میں ہے۔ یہاں چشمِ بصیرت سے دیکھنے کی ضرورت ہے کہ یہ زمین کونسی ہے؟ زمینِ کائنات؟ زمینِ نفسِ کلّی؟ یا یہ سیّارہ جس پر ہم رہتے ہیں؟ دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ آیا یہ ممکن ہے

کہ انسان اپنے عالمِ شخصی کے عجائب و غرائب اور معجزات کو دیکھ سکے؟ اگر نہیں تو یہ سوالیہ ارشاد کیوں ہے؟ تیسرا اور آخری سوال یہ ہے کہ آیا روحانی اور عقلی رزق اور قیامت ظاہری آسمان میں ہے یا دینی آسمان میں؟ اگر دینی آسمان میں ہے تو ہر چیز اور سب کچھ کے لئے امامِ مبینؑ سے رجوع کیوں نہ کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ کے اسی خزانے سے ہر چیز اور ہر تاویل حاصل ہو۔

۱۴۔ حدیثِ نوافل میں مذکور تمام معجزات تین فناؤں کے بعد ظہور پذیر ہوتے ہیں، وہ تین عظیم الشّان فنائیں یہ ہیں: فنا فی الامامؑ، فنا فی الرسولؐ، اور فنا فی اللہ، جس کے بعد ہر قسم کے تاویلی معجزے ہوتے رہتے ہیں، جن کی روشنی میں عارف کو اسرارِ الٰہی کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔

۱۵۔ علمِ لدُنّی، بصیرت، صِدق، شہادت، ہدایت، توفیق، تائید، الہام، القاء، کشف وغیرہ تاویل کے مُترادفات میں سے ہیں، کیونکہ روحانی انقلاب (ذاتی قیامت) کے بعد الفاظ کے معنوں میں بھی تاویلی انقلاب آتا ہے۔

۱۶۔ تاویل کی روشنی حاصل ہونے اور نہ ہونے میں لاانتہا فرق ہے، آپ سورۂ یُونس کے اس ارشاد کا بغور مطالعہ کریں: بلکہ جس چیز کے جاننے پر ان کا دسترس نہ ہوا اس کو جُھٹلانے لگے، حالانکہ ابھی تک ان کے پاس اس (قرآن) کی تاویل نہیں آئی ہے، اسی

طرح ان لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا، جو ان سے پہلے تھے (۳۹/۱۰) یعنی یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے نورِ مُنزَل کو نہیں پہچانا۔

۱۷۔ سورۂ حدید (۵۷/۲۸) میں دیکھنے سے آپ کو یہ قانون معلوم ہو جائے گا کہ نورِ امامت کی روشنی کے بغیر کوئی مومنِ سالک ایک قدم بھی چل نہیں سکتا، لہٰذا حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے تکمیلِ شرائط کے حکم کے ساتھ ساتھ فرمایا: وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ۔ اور خدا تم کو ایسا نور مقرر فرمائے گا جس کی روشنی میں تم چلو گے۔ آپ کی پختہ اور از بس مفید معلومات کی خاطر سوال ہے کہ ایسے پاک نور کی روشنی میں کس کس جہان میں چلا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب ہے کہ ناسوت، مَلکوت، جبروت، اور لاہوت میں، غرض خدا کی ساری خدائی میں روحانی، عقلی، علمی، عرفانی، اور تاویلی سفر ہو سکتا ہے، اور یہ تمام طویل راہیں اور مسافتیں عالمِ شخصی اور قرآن ہی میں محدود ہیں پس نورِ ھدایت کی روشنی میں سالک کا پہلا سفر خدا کی طرف ہے، جس کو اھلِ تصوّف سَیر اِلَی اللہ کہتے ہیں، اور دوسرا سفر خدا میں ہے، جس کا نام سَیر فی اللہ ہے، اور یہ بے پایان سفر کیوں ہے اس کا ذکر ہو چکا۔

۱۸۔ آپ قرآنِ حکیم میں دیکھ رہے ہیں کہ خدا کی بادشاہی میں ہر جگہ آیات ہی آیات ہیں، یعنی قرآن میں آیات، کتابِ نفسی (عالمِ

شخصی میں آیات، کتابِ کائنات میں آیات، اور کتابِ ناطق (امامِ مبین)، میں آیات، جبکہ وہ کُلّ کُلّیات ہے، اب آپ پر یہ حقیقت روشن ہوگئی کہ عالمِ ہست و بود میں آیت کے سوا کوئی چیز ہے ہی نہیں، اور تاویل کے بغیر کوئی آیت ممکن ہی نہیں پس ظاہر ہوا کہ ہر ہر عالم، ہر مقام، ہر سُو، ہر شئ، اور ہر ذرّہ میں تاویل یا روحانی سائنس کا راز پنہان ہے، الحمد للّٰہ ربّ العالمین۔

نصیر الدّین نصیرؔ (حُبِّ علی)، ہونزائی
کراچی
اِتوار، ۲۷، شعبان المعظّم ۱۴۱۸ھ ۲۸، دسمبر ۱۹۹۷ء

نامۂ اعمال کا علمی پہلو

ا۔ نامۂ اعمال قرآنِ عزیز کا ایک عظیم الشّان اور آسمانی حکمتوں سے مملو مضمون ہے، لہٰذا اہلِ ایمان کے لئے یہ امر بیحد ضروری ہے کہ وہ اس مضمونِ عالی سے متعلق تمام آیاتِ شریفہ کو دل و جان سے پڑھیں یا سُنیں، اور اپنے لئے قرآنی علم و حکمت کے انمول جواہر کا لازوال خزانہ بنالیں، یاد رہے کہ قرآنِ حکیم آفاق میں وہ بے مثال عقلی اور دائمی معجزہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول حضرتِ محمّد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو عطا فرمایا ہے، اس کے بے شمار عجائب و غرائب میں سے ایک اعجوبہ یہ بھی ہے کہ یہ ہر عظیم مضمون میں معجزانہ طور پر مرکوز و مجموع ہو کر اپنے عارفین کو حیرت میں ڈالتا ہے۔

۲۔ قرآنِ پاک کا ارشاد ہے: وَاِنَّ عَلَيۡكُمۡ لَحٰفِظِيۡنَ۔ كِرَامًا كَاتِبِيۡنَ۔ يَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ (۸۲: ۱۰-۱۲)۔ ترجمۂ اوّل: اور تم پر یاد کرنے والے، معزز لکھنے والے مقرر ہیں، جو تمہارے سب

اعمال کو جانتے ہیں۔ ترجمۂ دوم: اور تم پر (زمانۂ آدم سے اِس طرف کی روحانی سرگزشت) یاد کرنے والے (اور موجودہ زندگی کے تمام احوال و اعمال) لکھنے والے معزز فرشتے مقرر ہیں، جو تمہارے سب اعمال کو جانتے ہیں۔

۳۔ بحکمِ حدیثِ شریف: الارواحُ جُنودٌ مُّجنّدۃ = روحیں جمع شدہ لشکر کی صورت میں تھیں اور ہیں (ہزار حکمت، ح ۵۱) پھر انسان کے نامۂ اعمال میں روحانی واقعات کا ریکارڈ کیوں نہ ہو، قرآنِ عظیم کی روشنی میں سب سے پہلے حضرتِ آدم علیہ السّلام کے زمانے میں دیکھیں، وہاں آدم خلیفۃ اللہ کے ساتھ تمام روحیں نظر آتی ہیں (۷/۱۱) پھر حضرتِ نوح علیہ السّلام کی باطنی کشتی ذرّاتِ ارواح سے بھری ہوئی دکھائی دیتی ہے (۳۶/۴۱)، اسی طرح ہر انسانِ کامل کے ساتھ روحیں کام کرتی چلی آئی ہیں، ہر عارف نہ صرف اپنی ہی روح کو پہچانتا ہے، بلکہ ساتھ ہی ساتھ لشکرِ ارواح کے دائمی نظام سے بھی واقف ہو جاتا ہے۔

۴۔ نامۂ اعمال بڑا عجیب و غریب بلکہ نہایت معجزاتی ہے، اس کا نام اگرچہ کتاب ہے لیکن یہ قرطاس کی نہیں، بلکہ ذرّاتِ ارواح اور روحانیت پر مبنی ہے، یہ عالمِ ذرّ بھی ہے، نورانی مووی بھی عالمِ شخصی بھی ہے اور شخصِ کامل بھی، اس کے ظہورات و تجلیات لوگوں کے اعمال کے مطابق ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے: وَكُلَّ شَيْءٍ

اَحْصَیْنٰہُ کِتٰبًا (۲۹ / ۷۸) اور ہم نے ہر چیز کو (ان کے نامۂ اعمال میں) لکھ کر ضبط کر رکھا ہے۔ ہر چیز (کلّ شیٔ) کا مطلب ہے سب ، اور اِس بیان سے باہر کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی، پس معلوم ہوا کہ نامۂ اعمال اپنی اصل صورت میں عالمِ شخصی ہے، جس میں بطریقِ ظہورات و تجلیات سب کچھ ہے۔

۵۔ ظہورات و تجلیات سے کیا مراد ہے؟ اور قرآنِ حکیم میں ان کی مثال یا دلیل کیا ہے؟ جواباً عرض ہے کہ جب ارشاد ہوا کہ نامۂ اعمال (عالمِ شخصی) میں ہر چیز ہے یعنی سب کچھ ہے، تو یقین کرنا ہوگا کہ اس میں قانونِ ظہور و تجلّی بھی ہے، جس میں ہر لحظہ آنکھوں کے سامنے ایک نیا نظّارہ ہوتا ہے، جیسے قرآن میں ہے کہ بہشت میں حسبِ خواہش ہر نعمت سامنے آتی ہے؛ ۱۶/۳۱ ، ۲۵/۱۶ ، ۳۹/۳۴ ، ۴۲/۲۲ ، ۵۰/۳۵ یعنی صرف مطلوبہ نظّارہ سامنے آتا ہے، اور باقی چیزیں غائب رہتی ہیں۔

۶۔ سورۂ رحمان (۵۵/۲۹) میں ارشاد ہے: کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ۔ وہ ہر روز ایک (نئی) شان میں ہوتا ہے۔ خداوندِ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں قدیم ہے، لیکن عالمِ شخصی میں اس کے مظہر کے گوناگون ظہورات و تجلیات ہیں، جن کے وسیلے سے عارف اپنے ربّ کو پہچان سکتا ہے۔

۷۔ عارف کی ذاتی قیامت میں سب لوگوں کے نمائندہ ذرّات

جمع ہوتے ہیں، ان میں سب سے بڑی تعداد اہلِ دنیا کی ہوتی ہے، جن کو نامۂ اعمال پُشت کے پیچھے سے ملتا ہے (۸۴/۱۰) یعنی دنیا والوں کی کتابِ اعمال دنیا ہی ہے جو پیٹھ کے پیچھے ہی ہے، باقی اہلِ دین ہیں، جو تین قسم کے ہوتے ہیں (۵۶/۷) داہنے والے، بائیں والے، اور سابقون جو مقرّب لوگ ہیں۔

۸۔ سورۂ حاقہ (۶۹/۱۹) میں ارشاد ہے: پس جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ (اظہارِ علم ومعرفت کے معنی میں) کہے گا کہ لو میرا نامۂ اعمال پڑھو۔ اس سے یہ رازِ حکمت معلوم ہوا کہ بزرگانِ دین اپنی کتابِ اعمال ہی سے دوستوں کو اسرارِ معرفت کی تعلیم دیتے ہیں، اور یہاں یہ آگہی بھی ہوئی کہ بہشت میں ہر نامۂ اعمال پڑھا جا سکتا ہے، جیسے حدیثِ شریف میں بازارِ بہشت کی تصویروں کا ذکر آیا ہے (ہزار حکمت، ح ۲۵۸)۔

۹۔ سورۂ اِنشِقاق (۸۴/۹) میں ہے: تو جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں ملے گا سو اس سے آسان حساب لیا جائے گا، اور وہ (اس سے فارغ ہو کر) اپنے متعلقین کے پاس خوش خوش آئے گا۔ یعنی عارف کی ذاتی قیامت دُنیا ہی میں واقع ہوتی ہے، چُنانچہ وہ اس سے فارغ ہو کر خزانۂ علم وعرفان کی بے پایان خوشی کے ساتھ اپنی جماعت کی طرف آتا ہے۔

۱۰۔ سورۂ مومنون (۲۳/۶۲) میں یہ ارشاد ہے: ولدینا کتٰبٌ

یَنطق بالحقِّ وھم لا یُظلمون ۔ اور ہمارے پاس ایک کتاب (نامۂ اعمال) ہے جو سچ سچ بولتی ہے اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہو گا۔ یہ ہر زمانے کا امام ہے، جو لوگوں پر گواہ بھی ہے، ان کا نامۂ اعمال بھی، اور کتابِ ناطق (قرآنِ ناطق) بھی ہے، یہاں یہ انکشاف ہو گیا کہ نامۂ اعمال اور قرآنِ ناطق دراصل ایک ہی چیز ہے، پس نامۂ اعمال علم و حکمت کا سب سے بڑا خزانہ ہے۔

۱۱۔ یہ ارشاد سُورۂ جاثیہ (۴۵/۲۹) میں ہے: ھٰذَا کِتٰبُنَا یَنۡطِقُ عَلَیۡکُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ یہ (نامۂ اعمال) ہماری کتاب ہے جو تم پر سچ سچ بول رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتابِ ناطق نہ صرف لوگوں کے اعمال کی شہادت میں سچ بولتی ہے، بلکہ بلند ترین اور بے مثال سچائی اس کے علم و حکمت میں ہے، پس حضرتِ امامِ اقدس علیہ السلام ابرار اور مقربین کا نامۂ اعمال اور گنجِ اسرارِ معرفت ہے۔

۱۲۔ جب آپ کو یہ علم ہو چکا کہ امامِ عالی مقامؑ ہی پرہیزگاروں کا نامۂ اعمال ہے تو آیئے اب ہم سورۂ یاسین میں بھی دیکھتے ہیں، جس میں یہ ارشادِ مبارک ہے: اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَ نَکۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَ اٰثَارَھُمۡ ؕ وَ کُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰہُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ (۳۶/۱۲) بے شک ہم ہی مُردوں کو زندہ کرتے ہیں اور جو کچھ وہ آگے بھیج چکے اور (جو) ان کے نشان پیچھے رہ گئے ہم ان کو قلمبند کر لیتے ہیں اور ہم نے تو سب ہی چیزوں کو امامِ مبین

میں گھیر کر رکھا ہے۔ اس آیۂ مبارکہ کے آخر میں ہر ممکن سوال کا جواب موجود ہے درجِ ذیل مثالی سوال و جواب ملاحظہ ہو:۔

سوال: اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ خدا ہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے، لیکن ایسے میں حضرتِ امام کا ذکر کیوں ضروری ہوا؟ یہاں مبین کے کیا معنی ہیں؟ ان لوگوں کے اعمال و آثار کو بھی جب خدا ہی لکھتا ہے تو اس کا تعلق امام سے کیا ہو سکتا ہے؟

جواب: یہ ارشاد خود ذاتِ سبحان ہی کا ہے کہ اس نے سب ہی چیزوں کو امامِ مبین میں گھیر کر رکھا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنے خزانہ یعنی امام کے علمِ بیان (تاویل) سے مُردگانِ جہالت کو زندہ کرتا ہے اسی وجہ سے امامِ مبین کا ذکرِ جمیل ہوا، یہاں مبین سے علمِ تاویل بیان کرنے والا مراد ہے، جس میں حیاتِ روحانی ہے، چونکہ ہر چیز امام میں ہے، اس لئے ان لوگوں کے اعمال و آثار بھی امام ہی میں قلم بند اور محفوظ ہوتے ہیں۔

۱۳۔ سورۂ مُطفِّفین میں بھی نامۂ اعمال سے متعلق زبردست اسرار ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے: كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ. وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ. كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ. يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ = ہرگز نہیں، بے شک نیک آدمیوں کا نامۂ اعمال عِلّیین میں ہے، اور تمہیں کیا خبر کہ عِلّیین کیا ہے؟ وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے (یعنی حدودِ اعلیٰ کی نورانیت) جس کو مقرّب لوگ دیکھ سکتے ہیں (۸۳: ۱۸ تا ۲۱)

جب امامِ مبین ۱۲ میں ہر چیز جمع ہے تو اس میں علیّین بھی ہے۔

۱۴۔ سُورۂ جاثیہ (۴۵/۲۸) میں ارشاد ہے: وَتَرٰی کُلَّ اُمَّۃٍ جَاثِیَۃً ط کُلُّ اُمَّۃٍ تُدْعٰی اِلٰی کِتٰبِھَا ؕ اور تم دیکھو گے کہ ہر ایک اُمّت (منتظرِ فیصلہ مؤدّب اور) دُوزانو بیٹھی ہو گی، ہر ایک اُمّت اپنے نامۂ اعمال کے (دیکھنے کے) لئے لائی جائے گی۔ اس فرمانِ خداوندی سے یہ معلوم ہُوا کہ جس طرح ہر شخص کا ذاتی نامۂ اعمال ہوا کرتا ہے، اسی طرح ہر اُمّت، ہر جماعت، اور ہر گروہ کا اجتماعی نامۂ اعمال ہوتا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کا جیسا تقاضا ہے، وہ پورا ہو جائے، یاد رہے کہ انفرادی اور اجتماعی نجات اور عزّت علم و عمل کے بغیر ممکن ہی نہیں، افسوس ہے کہ اکثر لوگ علم کی اہمیّت کو نہیں سمجھتے ہیں۔

۱۵۔ حضرتِ امامِ اقدس و اطہر علیہ السّلام مومنین و مومنات کا ذاتی اور اجتماعی نامۂ اعمال ہے، اسی کی جبینِ مبارک میں نورِ مُنزَل (۵/۱۵) جلوہ گر ہے، قرآنِ حکیم کے بہت سے مقامات کے علاوہ سورۂ حدید (۵۷: ۱۲ـــ) اور سورۂ تحریم (۶۶: ۸) میں بھی اسی نور کا تذکرہ ہے، کہ یہ پاک نور مومنین و مومنات کی جبین میں برق رفتاری سے کشفِ اسرارِ معرفت کا کام کرنے لگے گا، مگر یہاں میرا ایک بڑا اہم سوال یہ ہے کہ جبین میں عالمِ کثرت ہے یا عالمِ وحدت؟ اگر آپ کہتے ہیں کہ عالمِ وحدت ہے تو پھر اس کے قوانین کو

سمجھنا ہوگا۔

۱۶۔ سورۂ حدید کے اس ارشاد (۵۷: ۱۹) میں بھی روحانیت اور معرفت کی نگاہ سے دیکھنا ہوگا، کہ خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے کا درجۂ کمال یہ ہے کہ ان کے روحانی معجزات کو دیکھ کر تصدیق کی جائے، تاکہ ایسے مومنین خدا کے نزدیک صدّیقین اور شُہَدا، قرار پائیں، اور ان کو اپنا اجر اور نور ملے (تاویلی مفہوم)۔

نصیر الدین نصیرؔ (حُبِّ علی) ہونزائی
کراچی
منگل ۷، رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ ۶، جنوری ۱۹۹۸ء

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

دعائے حضرتِ ابراہیم علیہ السّلام

رسولِ اکرم صلعم سے یہ حدیث منقول ہے، آپ فرماتے ہیں، میں اپنے جدِّ اعلےٰ حضرتِ ابراہیم علیہ السّلام کی دعا کا ثمرہ ہوں لہٰذا جو لوگ اِس اُمّتِ مسلمہ (ائمّۂ طاہرین) کی پیروی کریں گے جس کے اوصاف خداوند تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں بیان کردیئے ہیں تو وہ ولایت و محبّت کے اعتبار سے اِسی اُمّت میں سے شمار ہوں گے (دعائم الاسلام)۔

سُورۂ بقرہ کے رکوع ۱۵ کی آخری تین آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ ہے؛ (اور یاد کرو اُس وقت کو) جب ابراہیم اور اسماعیل خانۂ کعبہ کی بُنیادیں بلند کر رہے تھے (اور دُعا کرتے تھے) اے ہمارے پروردگار! تو ہم سے قبول فرما کہ تو سُننے والا اور جاننے والا ہے، پروردگار! ہمیں اپنے فرمان کے سامنے سرِتسلیم خم کرنے والا قرار دے اور ہماری اولاد میں سے ایسی اُمّت بنا جو تیرے حضور سرِتسلیم خم کرنے والی ہو (اس سے گروہِ ائمّہ مراد ہے)، ہمیں

اپنی عبادات کا راستہ دکھا اور ہماری توبہ قبول فرما کہ تو تواب اور رحیم ہے، پروردگار! ان (أئمّہ) کے درمیان انہی میں سے ایک رسول (یعنی حضرت محمّدؐ) مبعوث فرما جو انہیں (یعنی أئمّہ کے باطن میں) تیری آیات پڑھے، انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے، اور انہیں پاک کرے کیونکہ تو غالب اور حکمت والا ہے (۲: ۱۲۷- ۱۲۹)۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وكذالك جعلنٰكم اُمّةً وّسطاً لِتكونوا شُهَدَآءَ علے النّاسِ ويكونَ الرّسولُ عليكم شهيداً (۲:۱۴۳) اور اسی طرح (اے أئمّہ) ہم نے تم کو عادل اُمّت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور رسول تم پر گواہ رہیں۔ زمانے کا امام ظاہراً و باطناً لوگوں پر گواہ (حاضر) ہوتا ہے، اور رسولؐ نورانیت میں اماموں پر گواہ ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ لوگ اگر چاہیں اور کوشش کریں تو روحانی طور پر امام سے مل سکتے ہیں، اگرچہ شرائط سخت ہیں لیکن یہ امر محال نہیں۔

نصیر الدّین نصیرؔ (حُبِّ علی) ہونزائی
کراچی

جمعہ ۱۰ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ ۹ جنوری ۱۹۹۸ء

لفظِ اُمّت کی حکمت

اُمَّۃ: جماعت، اُمَّۃ اُم سے ماخوذ ہے، جس کے معنی "ماں" کے ہیں، ہر اس جماعت کو اُمّہ کہتے ہیں، جس میں کوئی مذہب یا وطن یا زمانہ مشترک ہو، گویا یہ مشترکہ چیز بمنزلہ ماں کے ہے اور یہ جماعت بمنزلہ اولاد کے، جمع اُمَم۔

تمام چیزیں دو دو ہیں، اس لئے اُمّت بھی عام و خاص دو ہیں، ہم یہاں صرف اس اُمّت کا تذکرہ کریں گے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّۃٌ یَّھْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِہٖ یَعْدِلُوْنَ (۷/۱۸۱) اور جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے ان میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے اور حق کے مطابق انصاف کیا کرتا ہے۔ اس قانونِ الٰہی کا تعلق زمانۂ آدم سے لے کر قیامۃ القیامات تک ہے، یعنی دَورِ نبوّت ہو یا دَورِ امامت بہ ہر حال دینِ فطرت میں علم و ہدایت کا سرچشمہ جاری و باقی ہے۔

سُورۂ آلِ عمران (۳/۱۱۳) میں ہے: وہ سب برابر نہیں ہیں، اہلِ

کتاب میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو (حق و ایمان کے ساتھ) قائم
ہے اور وہ اوقاتِ شب میں مسلسل حالتِ سجدہ میں آیاتِ خدا کی
تلاوت کرتے ہیں (۳/۱۱۳)، اوپر کی آیۂ شریفہ میں ہر زمانے کے حدودِ
دین کا ذکر ہے، جبکہ یہاں دَورِ موسیٰؑ اور دورِ عیسیٰؑ کے حدودِ دین
کا تذکرہ ہے، اسی طرح دورِ رسولِ آخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
حدودِ دین کے اوصاف وکمالات کا بیان باعتبارِ لفظِ اُمّت اِن حوالہ
جات میں ہے، سورۂ بقرۃ (۲/۱۲۸، ۲/۱۴۳)، سورۂ آلِ عمران (۳/۱۰۴، ۳/۱۱۰)
آپ ان آیاتِ کریمہ کے علم وحکمت سے خوب فائدہ اُٹھائیں۔

حدودِ دین کی حقیقی پہچان عالمِ شخصی میں ہے، کیونکہ ربِّ کریم
کی بے پایاں رحمت سے اس میں سب کچھ ہے، تمام نعمتیں موجود
ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے: اور زمین میں اہلِ یقین کے لئے آیات
(نشانیاں/معجزات) ہیں، اور خود تمہاری جانوں میں بھی ہیں، کیا تم
دیکھتے نہیں ہو؟ (۵۱: ۲۰-۲۱) زمین پر سب سے بڑے معجزے دو ہیں:
قرآن اور امام، اور یہ دونوں عظیم معجزے عالمِ شخصی میں بھی ہیں، اور
اس حقیقت کی تردید کوئی نہیں کر سکتا۔

نصیر الدین نصیرؔ (حُبِّ علی) ہونزائی
کراچی
۱۱، جنوری ۱۹۹۸ء

سُورۃ اِنشقاق کی حکمتیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ جب (قیامت سے عالمِ شخصی کا) آسمان پھٹ جائے گا (۱) اور اپنے ربّ کے کلام و فرمان کو سُنے گا اور وہ اسی لائق ہے (۲) اور جب (ع ش کی[1]) زمین (حدودِ کائنات تک) پھیلائی جائے گی (۳) اور جو کچھ اس میں ہے اسے نکال باہر ڈال دے گی اور خالی ہو جائے گی (اسرافیل اور عزرائیل کے معجزات کی طرف اشارہ ہے، آپ روحانی سائنس کے عجائب و غرائب کو پڑھیں) (۴) اور اپنے ربّ کے کلام و فرمان کو سُنے گی اور وہ اسی لائق ہے (کیونکہ قیامت میں اللہ تعالیٰ نیک لوگوں سے کلام کرتا ہے) (۵) اے انسان تو اپنے پروردگار کے حضور میں پہنچنے کی سخت کوشش کرنے والا ہے پس تُو اس سے جا ملے گا (یعنی علم و عمل کی سعی ضروری ہے) (۶) پس جس شخص کا نامۂ

---

[1] ع ش = عالمِ شخصی

اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا گیا (۷) تو اس سے ہلکا حساب
لیا جائے گا (۸) اور وہ اپنے لوگوں کی طرف خوش خوش پلٹے گا (یعنی
ہر عارف ذاتی قیامت سے فارغ ہو کر علم و معرفت کے خزانے کے
ساتھ اپنی قوم کی طرف لوٹتا ہے) (۹) اور جس کا نامۂ اعمال اس کی
پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا (۱۰) وہ موت کو پکارے گا (۱۱) اور
دوزخ میں داخل ہوگا (۱۲) یہ اپنے اہل و عیال میں مست رہتا تھا (۱۳)
اور خیال کرتا تھا کہ (خدا کی طرف) پھر کر نہ جائے گا (۱۴)۔

ہاں (ہاں)، اس کا پروردگار اس کو دیکھ رہا تھا (۱۵) ہمیں
شام کی سرخی (شفق شریعت) کی قسم (۱۶) اور رات کی (یعنی حجتِ
قائم کی قسم جو شبِ قدر ہے) اور جو کچھ وہ سمیٹ لیتی ہے اس
کی (یعنی واقعۂ قیامت اور اس کے اسرار جو مذکورہ رات میں
ہیں ان کی قسم) (۱۷) اور چاند کی جب کامل ہو جائے (یعنی حضرتِ
قائم کی قسم جبکہ وہ اپنے مرتبے پر پہنچ جاتا ہے) (۱۸) کہ تم درجہ
بدرجہ (مرتبۂ عالیہ پر) چڑھو گے (۱۹) تو ان لوگوں کو کیا ہوا ہے
کہ ایمان نہیں لاتے (۲۰) اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا
جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے (یعنی اسرارِ قرآن کو نہیں جانتے
ہیں) (۲۱) بلکہ کافر جھٹلاتے ہیں (۲۲) اور خدا ان باتوں کو جو
یہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں خوب جانتا ہے (۲۳) تو ان کو دکھ
دینے والے عذاب کی خبر سنا دو (۲۴) ہاں جو لوگ (حقیقی معنوں میں)

ایمان لائے اور (علم کے ساتھ) نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے بے انتہا اجر ہے (۲۵)۔

نصیر الدّین نصیرؔ (حُبِّ علی) ہونزائی
کراچی
بودو ۱۵ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ ۱۴ جنوری ۱۹۹۸ء

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

گلہائے خوشرنگ وخوشبو

ار ظاہری پھول کتنے حسین، دلفریب، اور مسحور کُن ہوتے ہیں، بااین ہمہ یہ سب کے سب بہت ہی خوبصورت دُنیوی پھول محض علامتی اور مثالی ہی ہیں، جب کہ اصل اور سدا بہار گُل حقیقی کتابوں میں کھلتے اور ہمیشہ مُسکراتے رہتے ہیں، ہاں یہ سچ ہے کہ علم و حکمت کی کتابیں اہلِ دانش کے لئے باغِ بہشت کا کام دیتی ہیں، کیونکہ جنّت کے پھول اور پھل روحانی اور عقلی ہیں، جن کے بعض معنوی نمونے اعلیٰ کتابوں میں ہوسکتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کچھ ایسا ذخیرۂ علمی ہمارے ساتھیوں اور دوستوں کو عطا ہُوا ہے، یہ حضرتِ ربّ العزّت کا بہت بڑا احسان ہے، ہم سب جو الگ الگ مقامات پر قیام پذیر ہیں، اس نعمتِ عظمیٰ کی شکرگزاری میں اشک فشاں اور حیران ہیں کہ خداوندِ قدّوس نے کتنا عظیم علمی معجزہ کیا، حالانکہ ہم غریبان اس کے قریب آنے کے بھی لائق نہ تھے!

۲۔ کل (۱۴/۱/۹۸) بوقتِ شام ایک بہت ہی پیاری کتاب "تجرباتِ روحانی" کی چند کاپیاں پریس سے لائی گئیں، ہم سب جو یہاں حاضر تھے خدا کی اس نعمت پر دل و جان سے شاکر ہوئے، ان شاء اللہ، اِس گلزارِ معنوی کے گلہائے خوشرنگ و خوشبو سے سب کو زبردست شادمانی ہوگی، یہ اسی خداوندِ مہربان کی عنایتِ بے نہایت سے ہے اور اسی کا فضل و کرم ہے۔

۳۔ آپ سب کو میرا پُرخلوص مشورہ ہے کہ حقیقی کتب کو عشقِ مولا کی روشنی میں پڑھنے کی نیک اور پُرحکمت عادت بنا لینا، اُمید ہے کہ اس عمل سے تائیدِ روحانی حاصل ہوگی، ہر بار نزولِ رحمت کے لئے عاجزانہ دعا کرتے رہنا، تاکہ وہ فرشتہ جو آپ میں مقرر ہے الہام سے آپ کی مدد کرے، اللہ نے اس کو اسی کام کے لئے پیدا کیا ہے، مگر دیکھنا یہ ہے کہ انسان کا عمل کیسا ہے، اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ علم الیقین سے بھری ہوئی کتابیں دل و جان اور عشق و محبت ہی سے پڑھنے کے نتیجے پر عین الیقین کی روشنی آنے لگتی ہے، پس اعلیٰ علم پر مبنی کتب کی سخت ضرورت ہے۔

۴۔ اگر رازگوئی کی اجازت ہو تو میں سچ سچ بتاؤں گا کہ علیِّ زمان صلوات اللہ علیہ وسلامہ حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کی طرح مردگانِ جہالت کو زندہ کرتا ہے، میں نے اپنی ظاہری اور باطنی آنکھوں

سے مظہرِ نورِ خدا کا یہ انتہائی عظیم معجزہ اپنے آپ ہی میں دیکھا، کہ میں مُردۂ نادانی مگر زندہ نُما تھا، پس اسی مہربان نے مجھے زندہ کیا، میں نے نظم و نثر میں طرح طرح سے اس کا تذکرہ کیا، یہ گواہی سب کے لیے از حد مفید ہو سکتی ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ اپنے احسانِ عظیم کا ذکر فرماتا ہے: وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمۡ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا (۸۱/۱۶) اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہارے لئے اپنی مخلوقات کے سائے بنائے۔ یعنی عالمِ عُلوی کی نورانی مخلوقات کے نورانی سائے، جیسے سورج، چاند، ستارہ، چراغ، روشن بلب وغیرہ کا عکس/سایہ آئینے میں پڑتا ہے، اسی طرح عالمِ بالا یا بہشت کی ہر لطیف اور نورانی چیز آئینۂ امامِ مبین میں جھلکتی رہتی ہے، اور امامِ برحقؑ مومنین و مومنات کے عالمِ شخصی میں بھی جلوہ افروز ہے، اسی لئے ربِّ تعالیٰ کا اہلِ ایمان پر احسان رکھنا برحق ہے۔

۶۔ اگر آئینۂ ظاہر ہر اعتبار سے دُور نما ہوتا تو اس میں عکسِ خورشید کا ملاً و فعلاً خورشید ہی ہوتا، مگر ایسا نہیں ہے، تاہم سائنس نے کمال کیا کہ فلم میں زندہ آدمی کا سایہ/عکس بعینہ (ہُوبہو) زندہ آدمی ہی ہوتا ہے، پھر بھی نورانی مُووِیز کے سامنے یہ ایک مُردہ اور بے حقیقت چیز ہے، پس آئینۂ معرفت میں سایۂ عرش خود عرش ہی ہے، اور عالمِ عُلوی کی ہر چیز کی یہی

مثال ہے، مذکورہ آیۂ مبارکہ میں سایہ مثال بھی ہے اور حقیقت پر حجاب بھی، مثال یوں کہ سائے میں جانا پڑتا ہے، لہٰذا آپ کو سایۂ عرش میں بیٹھنے کی خاطر عرش میں فنا ہو جانا پڑے گا، کیونکہ وہاں عالمِ وحدت ہے، اس لئے یہ ہرگز ممکن نہیں کہ عرش، سایہ، اور آپ کُلّ تین ہستیاں اس میں الگ الگ ہوں۔

نصیر الدّین نصیرؔ (حُبِّ علی)، ہونزائی
کراچی
۱۵ر جنوری ۱۹۹۸ء

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

روحانی سائنس اور خلّیات

۱۔ اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ قرآن حکیم ھدایت نامۂ سماوی ہونے کے ساتھ ساتھ تمام ضروری اور مفید علوم کا سرچشمہ بھی ہے، اسی لئے میں یقین سے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی اس انتہائی جامع اور بے مثال کتاب میں روحانی سائنس کا بہت بڑا خزانہ بھی ہے، ہم نے اس باب میں اپنی بساط کے مطابق پہلے بھی کچھ لکھا ہے اور اب بھی کوشش جاری ہے تاکہ سب نہیں تو بعض سائنسدان قرآنِ عظیم کی آفاقی علم و حکمت کی طرف متوجّہ ہو جائیں، ساتھ ہی ساتھ اپنی قوم کی نئی نسل کو قرآنِ پاک سے عشق و محبّت ہو۔

۲۔ روح اگر بدن کے بغیر مجرّد ہے تو وہ تقسیم نہیں ہو سکتی ہے لیکن جہاں اس میں ذرّات اور ابدان حائل ہو جاتے ہیں، وہاں روح تقسیم ہو جاتی ہے، چنانچہ انسانی جسم میں بے شمار خلیات ہوتے ہیں، جن میں ایک ہی روح منقسم ہوئی ہے، جس کا مرکز دل میں ہے، خلیوں کی انفرادی زندگی اگرچہ الگ الگ ہے، لیکن اجتماعی

زندگی ایک ہی ہے جو دل سے آتی رہتی ہے، دل سے ہر سیل (خلیہ) کو نہرِ حیات بھی ہے، تارِ برقی بھی، اور وائرلیس بھی ہے، ان وسائل سے کام لے کر دل اپنے ہر احساس کو سارے بدن کے خلیات میں پھیلا دیتا ہے۔

۳۔ اہلِ ایمان (مومنین و مومنات) کے خلیات کی نیک بختی کا کیا کہنا، کہ وہ اسمِ اعظم اور ذکرِ الٰہی کے زیرِ اثر جُنبش میں آتے ہیں (۳۹/۲۳) کہ جُلُود سے بدن یا ابدان مراد ہیں، جن میں بے شمار زندہ چیزیں خلیات ہی ہیں، جو کثرتِ ذکر کی وجہ سے خوفِ خدا یا عشقِ سماوی میں دل کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتے ہیں، ایسے عظیم بدنی ذکر کے معجزے میں ہر خلیہ مستقبل کا ایک باسعادت عالمِ شخصی ہو سکتا ہے۔

۴۔ یہ تذکرہ سورۂ زمر (۳۹/۲۳) کے حوالے سے ہے، جس میں ظاہراً قرآنِ پاک کی تعریف ہے، اور باطناً اسمِ اعظم کی توصیف، اثر انگیزی قرآنِ کریم سے ہو یا اسمِ اعظم سے وہ کیفیت سب سے پہلے دل میں پیدا ہوتی ہے، اور دل ہی یہ پیغام بدن کے ہر سیل کو بھیجتا ہے، پس اگر خلیات میں صرف روحِ حیوانی ہوتی تو قرآن اور ذکرِ خدا سے اُس پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اور جب اثر پڑتا ہے، تو معلوم ہوا کہ ہر خلیہ میں بحدِّ قوّت ایک عالمِ شخصی موجود ہے۔

۵۔ مذکورہ آیۂ شریفہ (۳۹/۲۳) میں خاص توجہ طلب لفظ تَقْشَعِرُّ

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

ہے، جس کے معنی ہیں: وہ لرزنے لگتی ہے، اُس کا رُواں کھڑا ہو جاتا ہے، وہ کانپتی ہے، یعنی اللہ کے پاک ذکر سے دوستانِ خدا کے ابدان کو کپکپی ہوتی ہے، اس آیت کے مطابق ایسے حضرات میں خوفِ خدا پہلے ہی سے ہونے کا ذکر ہے، لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ عشقِ الٰہی کا معجزہ ہے، جس میں روح اور بدن دونوں میں زلزلہ آتا ہے۔

۶۔ صاحبانِ عقل کے نزدیک زلزلہ زبردست روحانی علاج ہے، کہ اس میں جسم و جان دونوں کی پاکیزگی اور سلامتی ہے، اب ہم روحانی سائنس کو کیوں تسلیم نہ کریں، جو بدن اور روح دونوں کے لئے ازبس مفید ہے؟ قرآنِ حکیم کے کئی مقامات پر روحانی زلزلہ یا کپکپی کا ذکر آیا ہے، میں نے بارہا اس پر لکھا ہے، کہ یہ انتہائی مفید چیز ہے، کیونکہ یہ عملِ تطہیر ہے، جس سے روحانی ترقّی ہوتی ہے۔

۷۔ معرفتِ روح منزلِ عزرائیلی سے شروع ہوتی ہے، جبکہ روح بے حدّ و بے حساب ذرّات کی صورت میں خارج اور داخل ہوتی رہتی ہے، یہیں سے خلیات کی روحوں کی شناخت بھی ہو سکتی ہے، کہ ان کی بہت بڑی اہمیّت ہے، کیونکہ ان کے کئی پہلو ہوتے ہیں: یہ آپ کی روح کے اجزا بھی ہیں اور کاپیاں بھی، یہ کائنات بھر کی نمائندہ روحیں بھی ہیں اور لشکرِ

ارواح بھی، یہ کُلّ اشیاء بھی ہیں اور تمام چیزوں کے ثمرات بھی، اور یہ حکمتیں جو درج ہوئیں یقیناً قرآن و روحانیت کی روشنی میں ہیں۔

۸۔ کہتے ہیں کہ انسانی بدن میں تینتیس (۳۳) کروڑ سیلز (خلیات) ہیں لیکن میرے خیال میں یہ اندازہ بہت ہی کم ہے، کیونکہ دیگر کائناتوں کو چھوڑ کر اگر ہم صرف اِس دنیا کے نفوس کی نمائندگی کا قیاس کریں، تو پھر بھی بہت بڑی تعداد بنتی ہے، کیونکہ دنیا میں اِس وقت چار ارب انچاس کروڑ بیس لاکھ افراد آباد ہیں، پس اگر کسی عارف پر انفرادی اور روحانی قیامت گزرتی ہے تو اس میں صرف اہلِ زمین کے نمائندہ ذرّات مذکورہ تعداد کے مطابق ہوں گے، یہ زمین کی بات ہے۔

نصیر الدّین نصیر (حُبِّ علی)، ہونزائی
کراچی۔
۱۸؍ جنوری ۱۹۹۸ء

روحانی سائنس کی نعمتیں

۱۔ معرفتِ روح جب اللہ تبارک و تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے تو اس کا ذکرِ جمیل بار بار کیوں نہ ہو، عقل و جان کی ابدی نعمتوں کا علمی اور عرفانی تذکرہ وہ بے مثال روحانی علاج ہے، جس سے ہر قسم کی تشکیک و مایوسی یکسر ختم ہو کر امیدِ واثق اور یقینِ کامل پیدا ہو جاتا ہے، یہی وہ روشن اور محکم علم الیقین ہے، جس سے اہلِ ایمان کو عین الیقین حاصل کرنے کے لئے بڑی مدد ملتی ہے۔

۲۔ آپ میں سے بعض عزیزوں کو یہ اُصولی حقیقت معلوم ہے کہ ہر نبی اور ہر ولی (امام) اپنے زمانے کا نفسِ واحدہ ہوتا ہے، جس کے ساتھ ہر وقت لشکرِ ارواح موجود رہتا ہے، اس لشکر کا ہونا بہت سے معنوں میں از بس ضروری ہے، جب روحانی لشکر ہے تو جہادِ اکبر بھی ہے، اور انتہائی شدید جنگ کے سارے واقعات بھی ہیں، نفسِ واحدہ کی روحانیت کی پیروی میں بے شمار عجائب و

غرائب ہیں، آپ کو ہر سعادت اور ہر نعمت حاصل ہے، عجیب بات تو یہ ہے کہ آپ جہادِ روحانی میں شہید ہو کر بہشت میں زندۂ جاوید بھی ہو گئے (٥٧/١٩) اور ایک وقت تلک دنیا میں زندہ بھی ہیں، تاکہ آپ کچھ مزید خدمت کر سکیں۔

۳، ارشادِ باری تعالیٰ کا مفہوم ہے: آج تمہارے سامنے جس طرح اللہ کا قانونِ آفرینش ہے، اسی طرح یہ قدیم اور ہمیشہ ہے جس کے مطابق وہ لوگوں کو پیدا کرتا رہتا ہے (٣٠/٣٠) اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی زمانہ ایسا نہ تھا، جس میں خدا کی بادشاہی نہ ہو، اور نہ ہی کبھی ایسا ہوگا، اور اللہ کی بادشاہی اس کی مخلوق ہے پس تخلیق کا سلسلہ ہمیشہ جاری و ساری ہے اور سب کی نمائندہ روحیں نفسِ واحدہ کے ساتھ ہیں۔

۴، سورۂ دہر آیۂ دوم (٧٦/٢) کے پُر حکمت بیان کو دیکھئے کہ خداوند تعالیٰ نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا ہے، یعنی ہر انسان کے ماں باپ ہوتے ہیں، اس قانونِ فطرت سے نہ تو کسی سیّارے کا کوئی آدم مُستثنیٰ ہے اور نہ ہی کوئی بنی آدم، اور نہ حضرتِ عیسیٰ، اس سے یہ حقیقت روشن ہوگئی کہ انسان کی آفرینش کسی ابتداء و انتہا کے بغیر ہمیشہ کا ایک جاری سلسلہ ہے، جس میں انسانی روح کے جُملہ احوال حجاب میں ہیں، تاہم تمام آدموں کا قصّہ ایک جیسا ہے، جس کی نسبت سے قصّۂ ارواح بھی مُعیّن ہو جاتا

ہے۔
۵. جیسا کہ ذکر ہُوا کہ ہر نبی اور ہر ولی اپنے زمانے کا نفسِ واحدہ ہوتا ہے، آپ قرآنِ حکیم (۳۱/۲۸) میں دیکھ سکتے ہیں کہ اہلِ عالم کی روحانی وابستگی اپنے زمانے کے نفسِ واحدہ کے ساتھ ہوتی ہے، کیونکہ اسی کی روحانی تخلیق اور انفرادی قیامت میں یہ سب لوگ غیر شعوری طور پر موجود ہوتے ہیں، یعنی سارے لوگوں کی نمائندہ روحیں نفسِ واحدہ کے عالمِ شخصی میں حاضر ہوتی ہیں، جب کہ ہر روح کی نمائندگی سب میں ہے، لیکن سب سے مفید اور سب سے اعلیٰ نمائندگی حضرتِ امام علیہ السّلام میں ہوتی ہے کہ وہی اپنے زمانے میں نفسِ واحدہ ہے۔
۶. اے عزیزان! آپ ان غیر معمولی (EXTRA ORDINARY) حکمتوں کو ہرگز ہرگز بھول نہ جانا، کیونکہ یہ قرآنِ حکیم اور روحانیت کی خاص نعمتیں ہیں اور یہی روحانی سائنس بھی ہے، اس سے آپ کی بہت بڑی علمی ترقی ہونے والی ہے، دیکھئے اس نعمتِ عظمیٰ کو کہ آپ اپنی نمائندہ روح میں حضرتِ آدم خلیفۃ اللہ کے ساتھ تھے، جیسا کہ ارشاد ہے: اور ہم ہی نے تم کو (روحانیت میں) پیدا کیا پھر (حظیرۂ قدس میں) تمہاری (رحمانی) صورت بنائی پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو (۷/۱۱) یہ ایک قرآنی حقیقت ہے اس لئے کوئی شخص اس کی تردید نہیں کر سکتا۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کا وہ عرش جو پانی پر ہے (۱۱:۷) بھری ہوئی کشتی (۳۶:۴۱) اور اہلِ بیتِ رسولؐ، یہ تینوں آیات (معجزات) جو انتہائی عظیم ہیں، ایک ہی تاویل رکھتی ہیں، یعنی ان کی حقیقت ایک ہی ہے، اور یہ آپ سب کی مونوریالٹی ہے، کیونکہ خداوندِ قدّوس نے آپ تمام کے نمائندہ ذرّاتِ روحانی کو بھری ہوئی کشتی میں قرار دیا ہے (۳۶:۴۱) اور وہی عرشِ رحمان ہے، جو بحرِ علم پر قائم ہے، اور حضرتِ نوحؑ کا سفینۂ روحانی بھی یہی ہے، پس آپ اپنی روح کی بلندئ عزّت کو پہچان لیں۔

۸۔ آپ حضرتِ ابراہیم خلیل اللہؑ کے ساتھ بھی تھے، سورۂ حجّ (۲۲:۲۷) میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل سے فرمایا: اور لوگوں میں حجِ اکبر کے لئے ندا کر دو کہ تمہاری طرف پیدل اور دُبلے دُبلے اونٹوں پر جو دُور (دراز) راستوں سے چلے آتے ہوں (سوار ہو کر) چلے آئیں۔ الغرض خدا کے اس حکم پر حضرتِ ابراہیمؑ کی قوّتِ اسرافیلیہ اپنا کام کرنے لگی، اور ذاتی نوعیت کی روحانی قیامت برپا ہوئی، سب لوگ اپنی نمائندہ روحوں میں حضرتِ خلیلؑ کے پاس جمع ہو گئے، اس سے معلوم ہُوا کہ کاملین کی انفرادی قیامت حجِّ اکبر بھی ہے، جو کعبۂ باطن میں ہوتا ہے۔

۹۔ قرآنِ عظیم میں ایسی پُرحکمت مثالیں بہت سی ہیں، جن میں یہ تذکرہ پوشیدہ ہے کہ انبیاء و اولیا علیہم السّلام اور کاملین و عارفین

کے ساتھ تمام لوگوں کی روحیں موجود ہوتی ہیں، آپ سُورۂ اعراف (۷ / ۱۷۲) میں اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کی عظیم الشّان آیت کو حکمت سے ساتھ پڑھیں، یہ بنی آدم کون سے ہیں، خاص ہیں یا عام؟ ان کی پُشتوں سے حضرتِ ربّ نے ان کی ذرّیت کو کس طرح لیا؟ وہ مقام کون سا تھا، جس پر خدا نے روحوں سے پوچھا: کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟

۱۰۔ خوب یاد رکھو کہ مذکورۂ بالا واقعہ کسی ایک زمانے سے متعلّق نہیں، بلکہ یہ انبیاء، اولیاء، کاملین، اور عارفین کی ذاتی اور باطنی قیامت ہے، لہٰذا یہ الگ الگ زمانوں میں قائم ہوتی آئی ہے، خداوندِ قدّوس جب کسی عارف کی ذاتی قیامت کو برپا کرتا ہے تو اس وقت نہ صرف کائنات کو لپیٹتا ہے، بلکہ اس کی پُشت سے ذرّاتِ ارواح کو بھی حشر کے جُملہ احوال سے گزار کر حظیرۃ القدس میں لاتا ہے، تاکہ وہ سوال فرمائے: اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ = کیا میں تمہارا پروردگا نہیں ہوں؟

۱۱۔ قرآنِ حکیم میں لفظِ مَلِکْ کے باطنی معنی امام کے لئے ہیں، لہٰذا مُلُوک سے أئمّۂ طاہرین مراد ہیں، چنانچہ سورۂ نمل (۲۷ / ۳۴) میں ہے: اس (یعنی بلقیس) نے کہا کہ بادشاہ (مُلوک) جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو خراب کرتے ہیں اور وہاں کے عزّت والوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں اور اسی طرح یہ بھی کریں گے۔

اس کی حکمت یہ ہے کہ مومن اپنے شہرِ ہستی کو فتح کر لینا چاہتا ہے، لیکن نفس اور شیطان کے لشکر کو شکست نہیں دے سکتا، تا آنکہ امامِ زمان بعنوانِ قیامت یا بعنوانِ روحانی جنگ اِس شہر پر حملہ کر کے فتح کر لیتا ہے اور مومن کو اس کا بادشاہ بنا دیتا ہے۔

۱۲۔ سورۂ مائدہ (۵/۲۰) میں ہے کہ خداوند تعالیٰ نے قومِ موسیٰ کے مومنین کو بادشاہ بنایا تھا، اس سے دورِ موسیٰ کے ائمّہ مراد ہیں، جو روحانیّت کے مُلوک تھے، جن کی ہدایت و مہربانی سے بعض خاص مومنین عوالمِ شخصی کے بادشاہ ہو گئے، کہ حضرتِ امامؑ حضرتِ داؤدؑ ہی کی طرح روحانیت میں لباس (زِرۂ نورانی) بناتا ہے جس کا ذکر بارہا ہو چکا ہے (۲۱/۸۰)، اس کا سب سے بڑا معجزہ علمی جنگ میں غالبیت و فتحمندی ہے، تاکہ ہر ایسی روح بادشاہ ہو جائے۔

۱۳۔ قرآنِ حکیم بزبانِ حکمت فرماتا ہے کہ ہر چیز میں سب سے بڑا راز علم سے متعلق ہے، چنانچہ زِرۂ نورانی یا جُثۂ ابداعی کا عظیم ترین مقصد علم ہی ہے، تاکہ اعلیٰ ترین اور مخفی ترین علمی اسلحہ کی قوّت سے حزبِ شیطان مغلوب اور حزبُ اللہ غالب ہو جائے (۵۸/۱۹، ۵/۵۶) قرآنِ پاک میں دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ شیطان کی جنگ جاری ہے۔

۱۴۔ آپ شاید باور کریں گے کہ قادرِ مطلق کی بے مثال قدرت سے انبیاء و ائمّہ علیہم السّلام کے تمام معجزات عالمِ شخصی میں محفوظ ہیں (۵۱ : ۲۰-۲۱)، ان معجزوں کے الفاظ اور مثالیں اگرچہ قرآنِ پاک

میں الگ الگ ہیں، لیکن ان کی باطنی حقیقت ایک ہی ہے، چنانچہ حضرتِ عیسیٰؑ کے معجزاتی پرندے (۳/۴۹، ۵/۱۱۰) دراصل وہ مومنین ہوتے تھے جو فرشتہ بن کر عالمِ عُلوی کی طرف پرواز کرتے تھے، اور امامؑ کا یہ معجزہ مومنِ سالک کی منزلِ عزرائیلی میں مسلسل ہوتا رہتا ہے، اور حظیرۂ قُدس میں بھی ہے۔

۱۵۔ حضرتِ محمّد مُصطفٰےؐ رسولِ خدا خاتم الانبیاء صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم محبوبِ خدا بھی تھے اور سیّد الانبیاء بھی، لہٰذا تمام پیغمبروں کی دعوت آپؐ کی دعوتِ اسلام کی تمہید تھی، ان کی کتابوں کا اصل مقصد قرآنِ عظیم کا تعارف تھا، اور ان کے سارے معجزات کی غرضِ غایت یہ تھی کہ حضورِ اقدسؐ کے معجزات کی معرفت ہو، حضورِ انورؐ کے باکمال، بے مثال، اور لازوال معجزے دو ہیں، جو عقلی اور دائمی ہیں، وہ قرآنِ حکیم اور امامِ مُبین ہیں، جو کتابِ صامت اور کتابِ ناطق ہیں، اور یہ دونوں رشد وہدایت اور علم وحکمت کے ایسے سرچشمے ہیں کہ ان سے باہر کوئی ایسی ضروری چیز نہیں، اور یہ انتہائی یقینی حقیقت ہے کہ ان دونوں خدائی خزانوں میں جُملہ پیغمبروں کے معجزات ریکارڈ اور محفوظ ہیں، تاکہ ان کی معرفت سے پیغمبروں کی تصدیق ہو۔

نصیر الدّین نصیر (حُبِّ علی) ہونزائی

کراچی

ہفتہ ۲۵ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ ۲۴ جنوری ۱۹۹۸ء

قرآنی سائنس اور ہر چیز کی روح

ار علم و حکمت کی غرض سے قرآنِ پاک کو بار بار پڑھنا اور بار بار اس میں سوچنا ایک افضل عبادت بھی ہے، اور انمول ذخیرۂ معلومات میں اضافہ بھی، اگرچہ قرآنِ حکیم کی ہر آیۂ کریمہ اپنی بہت سی باطنی برکات کی وجہ سے اس بات کی مُقتضی ہے کہ آپ اس میں ٹھیک ٹھیک غور و فکر کریں، تاہم بعض آیاتِ مبارکہ از قسمِ قوانین و کلّیات وارد ہوئی ہیں، ان میں زیادہ سے زیادہ غور و فکر کرنے کی سخت ضرورت ہے، ایسے ارشادات میں سے ایک آیۂ شریفہ یہ ہے: وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ (۱۵/۲۱) اور کوئی شی ایسی نہیں ہے جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور ہم اُس (چیز) کو ایک (مُعیّن و) معلوم مقدار میں نازل کرتے ہیں۔ یعنی زمان و مکان کے تقاضا اور لوگوں کی علمی ترقی اور ذہنی تیاری کے مطابق کوئی چیز خزائنِ الٰہی سے نازل کی جاتی ہے۔

۲۔ مَعْلُوْمٍ کے معنی ہیں: جانا ہوا (علم سے اسمِ مفعول)، بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ کا مطلب ہے: بتقاضائے زمان و مکان، نیز انفرادی اور اجتماعی معلومات کے مطابق کوئی چیز نازل ہوتی ہے۔ اس کا ایک اشارہ یہ ہوا کہ اگر لوگ علمی اور ذہنی طور پر تیار نہیں ہوئے ہیں، تو خداوندِ تعالیٰ اپنی خاص نعمتیں ان کے دل و دماغ پر نازل نہیں فرماتا ہے، یہاں عجب نہیں کہ کوئی شخص ایسا سوال کرے کہ جب قرآنِ پاک کا نزول ہوا، تو اسی کے ساتھ اور اسی میں رحمت اور علم کی ہر ہر چیز اور ہر ہر نعمت نازل ہو چکی تھی، اور دین کی اس کمالیت و تمامیت کے بعد اب ایسی کون سی چیزیں ہیں جن کو نازل ہوتا ہے؟ اس کا جواب اس طرح سے ہے کہ مذکورۂ بالا آیۂ مبارکہ میں خزائنِ الٰہی کا ذکر آیا ہے، اور معلوم ہے کہ انہی خزانوں کے ساتھ قرآنِ عظیم بھی ہے، اگرچہ یہ ظاہراً زمین پر ہے، لیکن باطناً عزّت و شرف کے روحانی آسمان پر ہے، جبکہ یہ قلمِ اعلیٰ اور لوحِ محفوظ میں بھی ہے، اور نورِ مُنزّل میں بھی، پس معلوم ہوا کہ کوئی چیز نازل نہیں ہوتی مگر خزانۂ قرآن اور اس سے مربوط خزانوں سے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے انتہائی عظیم خزانوں میں سے دو خزانے اس جہان میں حاضر اور موجود ہیں، وہ نورِ مُنزّل اور قرآنِ حکیم ہیں (۵/۱۵)، خداوندِ قدّوس اپنے ان عظیم الشّان خزانوں سے مُتقین کے

دلوں پر علم وحکمت نازل فرماتا رہتا ہے، کیونکہ نزول کے کئی درجات ہیں، اور آخری نزول اُس وقت ہوتا ہے، جبکہ کوئی علمی وعرفانی نعمت بندۂ مومن کے دل وجان میں وارد ہوتی ہے، اور اس درجہ کے لئے سعی کرنا بیحد ضروری ہے۔

۴۔ آیۂ زیرِ بحث میں عِندَنَا (ہمارے پاس) فرمانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کائنات کے کسی خاص مقام پر رہتا ہو، بلکہ اللہ کی یہ قربت ونزدیکی باطنی، روحانی، اور عقلی ہے، جبکہ اللہ کے خزانے آسمانوں میں بھی ہیں اور زمین پر بھی (۶۳/۷) اور جو خزانے زمین پر ہیں، وہ قرآنِ پاک اور امامِ مبین ہیں، پس آسمانوں اور زمین کے یہ سب خدائی خزانے عزّت، شرف، اور برتری کے معنی میں اللہ کے پاس ہیں۔

۵۔ آیۂ قانونِ خزائن کی حکمتوں کو بھول نہ جانا کہ دنیا کی ہر ہر چیز رُوحًا انہی خزانوں سے آتی ہے، اور عالمِ مادّیت میں آنے کے ساتھ ایک مادّی شکل اختیار کرلیتی ہے، اور اِس قانونِ قدرت کا اِطلاق ان تمام اشیاء پر بھی ہوتا ہے، جن کو عام طور پر بیجان چیزیں (جمادات) کہا جاتا ہے، اس کی ایک عجیب وغریب مثال جس میں بے شمار چیزوں کی نمائندگی ہے اِس آیۂ مقدّسہ میں ہے: وانزلنا الحدید فیہ باسٌ شدید = اور ہم نے لوہے کو نازل کیا جس میں سخت جنگ ہے (۲۵/۵۷)۔ یعنی خزائنِ الٰہی سے

لوہے کی روح نازل کر کے اس سے لوہے کی کان وغیرہ پیدا کیا، یہ ہوا خداوند تعالیٰ کا اس زمین پر لوہا نازل کرنا، اس آیۂ کریمہ سے یہ حقیقت روشن ہوئی کہ کائنات و موجودات کی کوئی چیز روح سے خالی نہیں، لیکن یہ بحث اس سے الگ ہے کہ منجمد چیزوں میں کس قسم کی روح ہوتی ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے جب سیّارۂ زمین کو پیدا کیا تو شروع شروع میں اِس پر پانی نہیں تھا، پھر اس نے ایک وقت کے بعد اپنے خزائن سے فضا میں اور زمین پر پانی کی روح کو نازل کیا، جس سے بارش کا سلسلہ آغاز ہوا، جیساکہ سورۂ فرقان ($\frac{۲۵}{۴۸}$) میں ہے: وانزلنا من السّماء ماءً طهورًا ۔ اور ہم نے آسمان سے بہت پاک پانی نازل کیا۔ یعنی ابتداءً جب روح سے پانی پیدا کیا گیا تھا، وہ ہر قسم کی آلودگی سے پاک تھا۔

۷۔ ربّ العزت نے لطفاً اپنے خزانوں سے ہر قسم کی صنعت و حرفت کی روح بھی نازل فرمائی، جس کی وجہ سے لوگوں نے بہت کچھ سیکھا، اور اپنے لئے خوب سے خوب تر لباس تیار کرنے میں کامیاب ہوگئے، سورۂ اعراف ($\frac{۷}{۲۶}$) میں دیکھئے: اے آدمؑ کی اولاد ہم نے تمہارے لئے پوشاک نازل کی جو تمہارے ستر کو چھپاتی ہے اور زینت کے کپڑے اور پرہیزگاری کا لباس معلوم ہے کہ کبھی آسمان سے سِلے سِلوائے ہوئے کپڑے نہیں پھینکے گئے، مگر یقیناً

یہی حقیقت ہے کہ خزائنِ الٰہی سے علم و ہنر اور ظاہری و باطنی سائنس کی روح نازل ہوتی رہتی ہے۔

۸۔ خدائے قادرِ مطلق صاحبِ "کُنْ" ہے، وہ کسی چیز کو جس طرح بنانا چاہے تو صرف کُنْ (ہو جا) فرما کر بنا سکتا ہے، بلکہ وہ اپنے کسی پیغمبر سے بھی یہ عظیم کام کرا سکتا ہے، جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل (۱۷: ۵۰) میں ہے: قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا = (اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ تم پتّھر بن جاؤ یا لوہا۔ میرا یقین ہے کہ اسی زبردست حکم سے ان کی بعض نمائندہ روحیں پتّھر اور لوہے کی ارواح بن گئیں، یہ حکمت بتاتی ہے کہ پتّھر اور لوہا جیسی بیجان نُما چیزوں میں بھی ایک قسم کی روح خوابیدہ ہے، اِس سے معلوم ہوا کہ کوئی شَی روح کے سوا نہیں ہے۔

۹۔ اے خواہران و برادرانِ عزیز! اِس مثال کو خوب غور سے سُن لو، کہ مٹی سے پانی لطیف تر ہے، پانی سے ہَوا لطیف تر ہے، ہَوا سے آگ لطیف تر ہے، آگ میں سخت سے سخت پتّھر رکھ کر دیکھو تو سہی، آگ کی حرارت پتّھر کے اندر باہر اس طرح پھیل جاتی ہے کہ اس کا کوئی ذرّہ بچ نہیں سکتا، اور اگر لوہے کے ٹکڑے کو آگ میں رکھ کر دیکھا جائے تو یہ گُویا آگ ہو جاتا ہے، اب اسی مثال کی روشنی میں ذرا سوچو کہ اس کائنات کا کیا حال ہو گا، جبکہ یہ عالمگیر روح کے سمندر میں ڈوبی ہوئی ہے، اور روح آگ سے بھی زیادہ

لطیف ہے، یا کسی جھجک کے بغیر یوں کہنا چاہیئے کہ کائنات بحرِ نور میں مُسْتَغْرَقْ ہے، جبکہ اللہ کائنات کا نور ہے (۲۴ : ۳۵) جب یہ آفاقی حقیقت ہے تو یہ بھی ایک لازمی حقیقت ہے کہ کائنات کا کوئی ذرّہ روح اور نور سے خالی نہیں۔

۱۰۔ دُنیا کی نظر میں مٹی، پتھر، اور پہاڑ وہ چیزیں ہیں، جن میں روح کا کوئی وجود ہی نہیں، لیکن قرآنِ کریم کی حکمت کی روشنی میں دیکھیئے کہ پہاڑوں کی روحیں حضرتِ داؤد علیہ السّلام کے عالمِ شخصی میں صُورِ قیامت کے ساتھ کس محویت سے تسبیح پڑھتی رہتی تھیں (۲۱/۷۹ ، ۳۴/۱۰ ، ۳۸/۱۸) یہ معرفت کا وہ عظیم راز ہے جو شک و شبہ سے بالاتر ہے، اور ایسے اسرار کو جاننے والے اور ان پر یقین رکھنے والے بڑے خوش نصیب ہیں۔

۱۱۔ سُورۂ لقمان کے ایک ارشاد (۳۱/۱۶) میں یہ اشارہ ہے کہ عارف کی ذاتی قیامت میں جب ہر چیز اور ہر جگہ سے روحیں آنے لگتی ہیں، تو اس وقت چٹان، آسمان اور زمین سے بھی ذرّاتِ روحانی آکر جمع ہو جاتے ہیں، ترجمۂ آیت یہ ہے: لُقمان نے کہا کہ، بیٹا، کوئی چیز رائی کے دانہ برابر بھی ہو (یعنی ذرّۂ روح) اور کسی چٹان میں یا آسمانوں یا زمین میں ہو اللہ اسے نکال لائے گا، وہ باریک بین اور باخبر ہے۔ یہاں ذرّۂ روح کی تشبیہ و تمثیل رائی کے دانہ سے دی گئی ہے۔

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

۱۲۔ جب خداوندِ بزرگ و برتر عارف کی روحانی قیامت قائم کرتا ہے اور اس کے عالمِ شخصی میں ارض و سماء کو لپیٹ دیتا ہے، تو اس وقت ہر ہر چیز کی روح صورِ اسرافیل کی آواز کے ساتھ حمدِ خدا کی تسبیح کرتی رہتی ہے (۱۷/۴۴) آیۂ شریفہ کے الفاظ یہ ہیں : وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ ۔ اور (سارے جہان میں) کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو۔ یقیناً آسمان زمین کی ہر چیز خدا کے لئے سجدہ کرتی ہے (۱۶/۴۹) اور سب کے سب اپنی نماز اور اپنی تسبیح کا طریقہ خوب جانتے ہیں (۲۴/۴۱) اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر چیز کی روح ہے جو عالمِ شخصی میں زبانِ قال سے اور اس سے باہر زبانِ حال سے خدا کی تسبیح کرتی رہتی ہے۔

۱۳۔ ثمرات پھلوں کو کہتے ہیں، اور قرآنی حکمت میں یہ لفظ رُوحوں کے لئے بھی آیا ہے، گویا ہر چیز ایک گونہ درخت ہے اور اس کی روح میوۂ بہشت، چونکہ یہ جنّت کے زندہ میوے ہیں، لہٰذا ان سب کا رُخ ہمیشہ کعبۂ جان کی طرف رہتا ہے، پس جب شخصی قیامت برپا ہو جاتی ہے تو اُس وقت یہ تمام ثمرات کشاں کشاں وہاں چلے جاتے ہیں، جیسا کہ سورۂ قصص (۲۸/۵۷) میں ہے: کیا ہم نے انہیں حرمِ مکہ میں جہاں ہر طرح کا امن ہے جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل روزی کیواسطے ہماری بارگاہ سے کھچے چلے

جاتے ہیں؟ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ان تمام قرآنی شہادتوں سے یہ حقیقت کُلّی طور پر روشن ہوگئی کہ روح کے بغیر کوئی چیز ہے ہی نہیں، اور اس باب میں اہلِ دانش کے لئے یہ بیان کافی وافی ہے۔

نصیر الدّین نصیرؔ (حُبِّ علی) ہونزائی
کراچی
بدھ ۲۹ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ ۲۸ جنوری ۱۹۹۸ء

گنجِ قرآن نورِ عرفان

۱۔ اے عزیزانِ سعادتمند! اے دوستانِ دانشمند! ذوقِ عبادت اور شوقِ علم ہر مومن اور مومنہ کی بہت بڑی نیک بختی ہے، جن دینداروں کو حضرتِ ربّ کی بارگاہِ عالی سے یہ نعمتِ عظمیٰ نصیب ہوئی ہو، ان کو بہت بہت مبارک ہو! یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کی شکر گزاری نہ صرف لفظی ہی ہے بلکہ معنوی بھی ہے، آپ اس کی شرطوں پر غور کریں، آپ بندگی اور مناجات میں پگھل جانا سیکھ لیں، آپ عشقِ مولا میں آنسو بہانے سے کیوں شرماتے ہیں؟ کس سے شرماتے ہیں؟ دنیاداروں سے؟ اے جانِ من! پاک مولا کے مقدّس عشق کی راہ میں جتنے بھی تیر دل میں لگتے ہیں تو لگنے دیں، اور شکر کریں کہ کامیابی ہو رہی ہے، ہاتھ گلاب تک پہنچ رہا ہے اور کانٹے چُبھ رہے ہیں۔

۲۔ اگر کوئی سالک اپنے نفس کے اژدھے کو قتل کرنے میں کامیاب ہو کر گنجِ ازل کو حاصل کر لیتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں

کہ سالک نے اکیلا ہی اتنا زبردست اژدھا مار ڈالا، بلکہ حکمت اور حقیقت یہ ہے کہ لوگ ہی غیر شعوری طور پر اِس جہادِ اکبر میں بڑی حد تک اس کی مدد کرتے ہیں، پس دانائی کی بات تو یہ ہے کہ ہمیں مخالفین کے حق میں نیک دُعا کرنی چاہئے کہ انہوں نے ہماری ریاضت اور نفس کُشی میں بہت مدد کی۔

۳۔ **آسمانوں اور زمین کے خزائن:** قرآنِ پاک کا ارشاد ہے: وَلِلّٰہِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ اور آسمانوں اور زمین کے خزانے خدا ہی کے ہیں (۶۳/۷)۔ آسمان و زمین تین قسم کے ہیں، اوّل عالمِ ظاہر کے آسمان و زمین، دوم عالمِ دین کے آسمان و زمین، اور سوم عالمِ شخصی کے آسمان و زمین، عالمِ ظاہر کا نظام سب کے سامنے عیاں ہے، عالمِ دین کی بات کریں، جو حدودِ دین پر مبنی ہے، جس کے انتہائی عظیم خزانے قرآنِ حکیم اور امامِ مبین ہیں، جو ظاہراً زمین پر ہیں اور باطناً آسمان میں، آپ نے سابقہ مقالے میں پڑھا ہے کہ ہر قسم کی برکتیں خزائنِ الٰہی سے نازل ہوتی رہتی ہیں، اب تذکرہ ہے عالمِ شخصی کا، جو بڑا عجیب و غریب ایک لطیف جہان ہے کہ وہ عالمِ دین کا باطنی اور روحانی پہلو ہے، روحانی پہلو؟ ہاں نورانی پہلو، نورانی پہلو؟ جی ہاں، عرفانی پہلو سُبحانَ اللّٰہ!

۴۔ **خزائن کا دو طرح سے تذکرہ:** دُنیا کا مادّی خزانہ ایک ایسا بیحد ضروری اور انتہائی مفید ذخیرۂ مال ہوتا ہے، جس میں

نہایت ہی قیمتی جواہر جمع کئے جاتے ہیں، جیسے سیم وزر، لعل وگوہر، دُرّومرجان، اور دوسری کثیر چیزیں جو انمول ہوتی ہیں، اسی طرح باطنی اور روحانی خزانہ ہوتا ہے، لیکن وہ اس سے بے انتہا اعلیٰ وافضل، بے قیاس مفید اور بے مثال ولازوال ہے، جس کی تعریف وتوصیف کے لئے شایانِ شان الفاظ نہیں ملتے، کیونکہ وہ ازبس لطیف اور عقل وجان کے اوصاف و کمالات سے موصوف، اور آسمانی علم و حکمت کا سرچشمہ ہے، جس کا تذکرہ قرآنِ حکیم میں دوطرح سے آیا ہے: (الف:) کنز یا خزائن جیسے ناموں میں (ب:) دوسرے الفاظ یا مثالوں میں۔

۵۔ ساری خدائی کی یکجا چیزیں: خداوندِ قدّوس کے پاک دیدار سے متعلق آپ کا کیا تصوّر ہے؟ اس باب میں آپ کی گرانقدر معلومات کیا ہیں؟ عارف کو چند مرتبہ دیدارِ اقدس کی بےمثال ولازوال سعادت نصیب ہونے کا ذکر ملتا ہے، لیکن یہاں بہت بڑا سوال یہ ہے کہ آیا ہر دیدار میں علم ومعرفت کا کوئی عظیم خزانہ ہوگا یا نہیں؟ نیز سوال ہے کہ حظیرۂ قدس میں جو سب سے بڑی رؤیت ہے وہ کس طرح سے ہوگی؟ حالتِ فعالیّت میں ہے یا اس کے بغیر؟ یقیناً ہر دیدارِ اقدس میں علم وحکمت کا بہت بڑا خزانہ مخفی ہے اور سب سے بڑی رؤیت اس طرح سے ہے کہ خداوندِ عالم ساری کائنات کو امامِ مبین (۳۶ / ۱۲) میں گھیر لیتا ہے، بالفاظِ دیگر لپیٹ لیتا

ہے، پھر پھیلا دیتا ہے، اور اس پُر حکمت فعل کو دہراتا رہتا ہے، تاکہ علم و معرفت کے تمام خزائن امامِ زمان علیہ السّلام میں جمع ہو جائیں، یہ ہے اللہ تعالیٰ کا خزانۂ خزائن، جس کا اسمِ "خزانہ" ظاہر نہیں۔

۶۔ ظاہری سائنسدانوں کی یہ دریافت (DISCOVERY) بڑی دلچسپ اور قابلِ تعریف ہے کہ مجموعی کائنات انتہائی سرعت کے ساتھ پھیلتی جا رہی ہے، لیکن قرآنی سائنس نے بہت پہلے ہی اس کی خبر دی تھی (۵۱/۴۷) اس کے علاوہ قرآنِ کریم یہ بھی فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر کائنات کو نہ صرف پھیلاتا ہے بلکہ لپیٹ بھی لیتا ہے، اور اس کی مثال فطرت کے ہر مقام پر ملتی رہتی ہے، پس کائنات از خود ہرگز نہیں پھیل رہی ہے، بلکہ خدائے قادرِ مطلق اسے پھیلا رہا ہے، بعد ازان وہ اسے لپیٹنے والا ہے (۲۱/۱۰۴، ۳۹/۶۷)۔

۷۔ انسانِ لطیف اور انسانِ کثیف: یہ کوئی بحث و مناظرہ ہرگز نہیں، مگر تقابلی جائزہ ضرور ہے کہ ظاہری سائنس والوں نے زبردست کامیابی حاصل کی ہے، اور عالمِ انسانیت کے لئے بے شمار خدمات انجام دی ہیں، تاہم انہوں نے ہنوز لطیف انسان کو نہیں دیکھا، اگر انہوں نے اس نورانی بدن والے کو دیکھ لیا ہوتا، تو ان کے ہر سوچ بچار میں انقلاب آتا، اور وہ زیادہ سے زیادہ مفید کام کر سکتے، انسانِ لطیف جنّ بھی ہے، فرشتہ بھی، روحانی بھی ہے، ایک عالم بھی، اور ایک فرد بھی ہے، اور جہاں وہ ایک عالم ہے وہاں اس میں

سب کچھ ہے، بلکہ وہ مونوریالٹی ہے۔

۸۔ قرآنِ حکیم کے علم و حکمت کی روشنی میں کائنات کے چُھپے ہوئے بھید ظاہر ہوتے جاتے ہیں، اس کی مُتعدّد مثالیں تحریر میں آچکی ہیں، جیسے سورۂ شوریٰ (۴۲/۲۹) میں ہے: اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کی خلقت اور ان کے اندر چلنے والی مخلوق بھی کہ جسے اس نے پھیلایا ہے اور جب بھی وہ چاہے انہیں اکٹھا کرنے پر قادر ہے۔ یقیناً یہ لطیف مخلوق ہی کا تذکرہ ہے۔ جو ساری کائنات میں پھیلائی ہوئی ہے چونکہ یہ مخلوقات لطیف اور غیر مرئی ہیں، اس لئے ظاہری بیانندازوں کو نظر نہیں آتی ہیں، اس آیت کی حکمت بتاتی ہے کہ ہر نفسِ واحدہ کی قیامت میں کائنات بھر کی روحیں بار بار جمع کی جاتی ہیں اور بار بار پھیلائی جاتی ہیں، کیونکہ یہی کائنات کا تجدّد بھی ہے اور یہی خلقِ جدید بھی ہے (۱۴/۱۹، ۳۵/۱۶، ۵۰/۱۵)۔

۹۔ **اجتماعی احسان؟ یا انفرادی احسان؟:** سورۂ مومنون (۲۳/۷۹) میں ہے: وہ وہی ذات ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا اور پھر تم اس کی جانب لوٹائے جاؤ گے۔ اگرچہ یہ خطاب اجتماعی ہے، لیکن اس میں اللہ کے احسانِ عظیم کا تعلق فرداً فرداً ہے، کہ اس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ہر شخص کی روح کے نمائندہ ذرّات کو تمام انسانوں میں جگہ دی، اور اسی

طرح اس کو نہ صرف سیارۂ زمین پر بلکہ زمینِ کائنات اور زمینِ نفسِ کُلّی میں بھی پھیلا دیا، تاکہ بہشت کی ہر نوازش اور ہر نعمت ایک عملی حقیقت کی روشنی میں ہو، یعنی وہاں یہ ظاہر ہوگا کہ خدا نے پہلے ہی ہر انسان کو طرح طرح کی نعمتیں دے رکھی تھیں، مگر ایمان اور علم کے نہ ہونے کی وجہ سے اکثر لوگوں کے سامنے پردۂ جہالت حائل تھا۔

۱۰۔ **ابداعی ظہور کا معجزہ:** انبیا و اولیا علیہم السّلام کے علاوہ عارفین کو بھی یہ معجزہ ہوتا ہے، اس کا ایک نمایاں تذکرہ سُورۂ مریم ($\frac{19}{17}$) میں ہے، یہ ظہور یک حقیقت (مونوریالٹی) کا ہے، لہٰذا اس کی چند اچھّی اچھّی تعبیریں ہو سکتی ہیں، جبکہ آپ سے پوچھا جائے کہ اس آیۂ شریفہ میں جو کلمۂ دُوحَنَا ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ مزید برآں اس معجزے سے بہت سے حقائق و معارف پر روشنی پڑتی ہے، اور اس روشن ترین مثال سے اسرارِ روحانیت کا ایک بڑا اہم دروازہ کُھل جاتا ہے کہ اسی طرح سے ہے نورانی بدن، جامۂ جنّت، جُثّۂ ابداعیہ، جسمِ مثالی، انسانِ لطیف، فرشتہ، پری (جن)، مخلوقِ بہشت، خلقِ جدید، وغیرہ وغیرہ۔

۱۱۔ یہ انکشاف روحانی سائنس بھی ہے کہ انسان بحکمِ خدا اپنے جُثّۂ ابداعیہ میں تمام سیّاروں اور ستاروں پر جا سکے گا، یہ جسمانی

سفر اور ظاہری پرواز کی بات ہرگز نہیں، بلکہ کائناتوں میں سے جس کائنات میں اور جس مقام پر بھی چاہے وہاں اس کا ابداعی ظہور ہوگا، انسانی روح اپنے مرتبۂ اعلیٰ پر نورِ الٰہی کا عکس یعنی صورتِ رحمان ہے، لٰہذا یہ ہر جگہ موجود (OMNI-PRESENT) ہے، ایسے میں آنے جانے یا پرواز کرنے کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے، اور صرف نورانی بدن یا جُثّۂ ابداعیہ میں ظاہر ہونے اور غائب ہو جانے کی بات ہوتی ہے۔

۱۲۔ آپ کو کسی دُور بہت ہی دُور مُلک یا شہر کی خیالی رسائی کے لئے کوئی دیر تو نہیں لگتی، بلکہ آپ خیال ہی خیال میں بیک طرفۃُ العین چاند یا مرّیخ یا اس سے بھی نہایت دور کہیں کائنات میں جا سکتے ہیں، یہ صرف ایک خواہش اور تقاضا کی صورت ہے جس کی تکمیل مستقبل اور بہشت میں ہوگی، کیونکہ جنّت کی ہر نعمت چاہنے سے مل سکتی ہے: ۱۶/۳۱، ۲۵/۱۶، ۳۹/۳۴، ۴۲/۲۲، ۵۰/۳۵ اور خواہش سے برتر نعمتیں بھی ہیں، پس اے عزیزان! گنجِ قرآن کو نورِ عرفان کی روشنی میں طلب کرو، مبادا کوئی ناشکری ہو جائے۔

نصیر الدّین نصیرؔ (حُبِّ علی) ہونزائی
کراچی
جمعرات ۷، شوال المکرّم ۱۴۱۸ھ ۵، فروری ۱۹۹۸ء

یک حقیقت کا خزانہ

۱۔ اگر لوگوں کے پاس محض علم کی خاطر ہزاروں سوالات ہیں تو عجب نہیں کہ نورِ مُنَزّل اور کتابِ مبین یعنی قرآن (۱۵/۵)، ایک ہی جامع الجوامع جواب سے ان سب سوالوں کی اطمینان بخش تحلیل فرمائیں، ہاں یہ حقیقت ہے، اور جہاں علمی معجزہ ہے، وہ ایسا ہی ہوتا ہے، چُنانچہ آپ یقین کریں گے کہ تصوّرِ "یک حقیقت" علمی قیامت کا سب سے عظیم معجزہ ہے، یقیناً اس سے ہزاروں مشکل سوالات حل ہو چکے ہیں اور حل ہو رہے ہیں، اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ یہ سب سے اعلےٰ اور سب سے عظیم تصوّر ایک بہت ہی بڑا خزانہ ہے جو ازلی و ابدی ہے۔

۲۔ یک حقیقت (مونوریالٹی) میں کُنتُ کَنزاً مَخفِیاً (میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا)، کی بڑی خوبصورت وضاحت ہے اور فنا فی اللہ کی بڑی عمدہ تفسیر و تشریح، اس کی تصدیق حدیثِ نوافل سے بھی ہوتی ہے، اور حدیثِ یَا بنَ اٰدَمَ اَطِعنِی سے بھی

اِس تصوّر میں اسرارِ قرآن و حدیث کی کلیدیں پوشیدہ ہیں، پس جو شخص اس کے راز کو اچھی طرح سے سمجھتا ہے وہ دولتِ لازوال سے مالا مال ہو جاتا ہے۔

۳۔ خزانۂ یک حقیقت کے بے پایان جواہر سے فائدہ اُٹھانے کا قرآنی طریقہ یہ ہے کہ آپ آئینۂ نفسِ واحدہ (۳۱ : ۲۸) میں خود کو پہچان لیں، نفسِ واحدہ کا ایک دوسرا نام شخصِ وحدت بھی ہے جو امامِ زمان علیہ السّلام ہی ہے، الغرض نفسِ واحدہ یا شخصِ وحدت وہ ذاتِ عالی صفات ہے، جس کے عالمِ شخصی میں جا کر تمام نفوسِ خلائق یک حقیقت (مونو ریالٹی) ہو جاتے ہیں، یہ کام خدا کے لئے بہت ہی آسان ہے، کہ اس نے نفسِ واحدہ ہی سے سب لوگوں کو پھیلایا تھا، پھر اس نے ان سب کو نفسِ واحدہ میں لپیٹ لیا، جیسا کہ سورۂ انعام (۶ : ۹۴) میں ہے: لو اب تم ویسے ہی تن تنہا ہمارے سامنے حاضر ہو گئے جیسا ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ اکیلا پیدا کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ زمانہ کی روحانی پیدائش اور قیامت و یک حقیقت نفسِ واحدہ میں ہوتی ہے، پس اسی طرح ہر زمانے میں ایک باطنی قیامت برپا ہوتی آئی ہے۔

۴۔ سورۂ حدید (۵۷ : ۱۲) اور سُورۂ تحریم (۶۶ : ۸) کے ارشاد کے مطابق جس دن مومنین و مومنات کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا، اُس روز یہ سب کے سب

نفسِ واحدہ کے ساتھ ایک ہو کر یک حقیقت ہو چکے ہوں گے یہ مثالِ دیگر یہ تمام کے تمام شخصِ وحدت میں فنا ہوئے ہوں گے، یہ واقعہ حظیرۃ القدس میں ہوتا ہے، جہاں کوئی کثرت نہیں دوئی بھی نہیں، صرف وحدت ہی وحدت ہے، یعنی وہاں صرف وہ ہستی ہے جس کو صورتِ رحمان کہا جاتا ہے، پس مومنین اور مومنات کی یہ کتنی بڑی کامیابی ہے کہ نفسِ واحدہ میں فنا ہو کر صورتِ رحمان ہو جاتے ہیں۔

۵۔ جب آپ یک حقیقت پر مکمل یقین رکھیں گے تو اس وقت معلوم ہوگا کہ قرآنِ حکیم کی ہر آیۂ کریمہ میں اسی تصور کا ذکر ہے، ہم یہاں صرف اس کی چند مثالوں پر اکتفا کریں گے، چنانچہ اس کی ایک عظیم الشّان مثال پانی پر تختِ خدا اور بھری ہوئی کشتی ہے (۱۱/۷، ۳۶/۴۱) عرشِ خدا فرشتۂ عظیم کی صورت میں ہے، جو نفسِ واحدہ اور شخصِ وحدت ہے، جس میں کہ مومنین و مومنات بحالتِ یک حقیقت موجود ہیں، یہی عرش اسی معنیٰ میں علم کے پانی پر بھری ہوئی کشتی بھی ہے، یعنی عرش بھی اور بھری ہوئی کشتی بھی نفسِ واحدہ ہی ہے جو حاملِ یک حقیقت ہے۔

۶۔ سورۂ جنّ کے آخر (۷۲/۲۸) میں ہے: وَاَحۡصٰی كُلَّ شَیۡءٍ عَدَدًا ۔ اور اس نے ہر چیز کو گھیر کر ایک عدد میں محدود کر رکھا ہے۔ یعنی تمام انسانوں کو نفسِ واحدہ میں ایک کر دیا ہے، کیونکہ

وہ عالمِ انسان کو لپیٹتا بھی ہے اور پھیلاتا بھی ہے، جبکہ وہ القابض اور الباسط ہے۔

۷۔ سورۂ فرقان (۲۵/۴۵) میں دیکھئے: کیا تونے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا کہ اُس نے کس طرح سائے کو پھیلا دیا ہے؟ اگر وہ چاہتا تو اسے روکے رکھتا، پھر ہم نے سورج کو اس پر رہنما بنایا، پھر ہم اسے آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔ نفوسِ خلائق نفسِ واحدہ کا پھیلایا ہوا سایہ ہیں، نورِ ہدایت اور روحانی قیامت وہ رہنما شمس ہے جو اس سائے کو عالمِ شخصی کی طرف لے جاتا ہے، اسی طرح خداوندِ عالم لوگوں کو لپیٹ کر نفسِ واحدہ میں یک حقیقت بنا دیتا ہے۔

۸۔ اکثر سورتوں کے آخر میں انتہائی اہم آیات وارد ہوئی ہیں، ایک ایسی عظیم آیت سورۂ قصص کے اختتام (۲۸/۸۸) پر ہے: کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ۔ وجہ اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ یعنی شخصِ وحدت جو وجہ اللہ ہے اس میں سب لوگ فنا ہو جانے والے ہیں، کیونکہ اِس ارشاد میں کُلُّ شَیْءٍ سے بطورِ خاص لوگ مراد ہیں، اور قانونِ قیامت یہ ہے کہ لوگ سب کے سب نفسِ واحدہ میں فنا ہو کر ایک ہو جاتے ہیں (۳۱/۲۸)، سبحان اللہ، ایک حقیقت کی شان!

۹۔ کتابِ مکنون کا پُرحکمت تذکرہ بیحد شیرین نعمت ہے، اور

قرآنِ پاک کی کونسی نعمت از حد لذیذ نہیں ہے ، بہرکیف ارشاد ہے کہ قرآنِ کریم ایک پوشیدہ کتاب میں محفوظ ہے، جس کو پاکیزہ لوگوں کے سوا کوئی چھُو نہیں سکتا (۵۶: ۷۷۔ ۷۹) یہ حظیرۂ قدس کے اسرارِ عظیم میں سے ہے، اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ جو لوگ یک حقیقت کے معنی میں نفسِ واحدہ کے ساتھ ایک ہو چکے ہیں وہی حضرات کتابِ مکنون کو ہاتھ میں لے سکتے ہیں، لیکن وہاں فردِ واحد سب کی نمائندگی کرتا ہے۔

۱۰۔ سورۂ معارج (۷۰) کے مطابق اللہ تعالیٰ عروج کی سیڑھیوں کا مالک ہے، اور حضرتِ سید الانبیاء رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم صاحبِ معراج ہیں، لہٰذا ہر پیغمبر کا روحانی سفر درجہ بدرجہ سیڑھی کی طرح تھا، اگرچہ اللہ کا راستہ ایک ہی ہے، لیکن خداوندِ عالم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ نبیٔ اکرمؐ تو محبوبِ خدا اور سالارِ انبیاء ہیں، جب حضورِ پاکؐ معراج پر تشریف لے گئے تھے تو آپؐ کی ایک خاص شان تھی اللہ تعالیٰ نے اُسی مقامِ اعلیٰ اور بے مثال وقت کی مناسبت سے فرمایا: وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ (۵۳: ۱۔۲) قسم ہے تارے کی جب کہ وہ گرا، تمہارا رفیق نہ بھٹکا ہے نہ بہکا ہے۔ پہلی آیت مقامِ معراج کی نشاندہی کرتی ہے، اور دوسری آیت کا یہ اشارہ ہے کہ تم بھی وہاں اپنے رفیق کے ساتھ تھے ،

کیونکہ حضورؐ کا یہ سفر رہنمائی سے متعلّق تھا، اس سے معلوم ہوا کہ بے شمار روحیں بحالتِ فنا و یک حقیقت آپؐ کے ساتھ تھیں۔

۱۱۔ ہر جُزو کا ایک کُلّ ہوا کرتا ہے، ہر کُلّ کے بہت سے اجزاء ہوتے ہیں، چنانچہ نفسِ واحدہ جو قرآن میں مذکور ہے، وہ ایک کُلّی نفس ہے، جس کے بے شمار اجزاء (یعنی جزوی نفوس) ہیں، پس جب نفسِ واحدہ پر روحانی قیامت گزرتی ہے تو اس میں تمام نفوسِ جزوی بھی ساتھ ساتھ ہوتے ہیں، مگر غیر شعوری طور پر، تا آنکہ وہ سب اپنے کُلّ میں فنا ہو کر حظیرۂ قدس میں داخل بھی ہو جاتے ہیں، پھر بھی ان کو کوئی خبر نہیں ہوتی ہے، اس غیر شعوری یا فراموشی کا ایک روشن ثبوت یہ ہے کہ پروردگارِ عالم نے ہر انسانِ کامل کی روحانیت میں تمام روحوں سے یوں پوچھا تھا: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (آیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ $\frac{۷}{۱۷۲}$) اور ارواح نے یہ عرض کیا تھا: قَالُوْا بَلٰی (وہ کہنے لگے کیوں نہیں) لیکن یہ واقعہ آج کن لوگوں کو یاد ہے؟

۱۲۔ آیۂ استخلاف (۲۴: ۵۵) میں غور کریں جیسا کہ غور کرنے کا حق ہے، اللہ اور اس کے رسولؐ نے امامؑ ہی کو بادشاہ بنایا ہے، دیکھئے آیۂ مبارکہ: آلِ ابراہیم (۴: ۵۴) خوب یاد رہے کہ جو تعریف قرآنِ پاک میں آلِ ابراہیم سے متعلق ہے، وہ آلِ محمدؐ کے بارے میں بھی ہے، پس جو لوگ عشق و محبّت اور حقیقی تابعداری سے امامِ

زمانؑ میں فنا ہو جاتے ہیں، وہ یقیناً عالمِ شخصی کے سلاطین ہو سکتے ہیں، یہی سرِّ عظیم ہے کہ حضرتِ موسیٰؑ اور حضرتِ ہارونؑ کے خاص خاص مومنین اپنے اپنے عالمِ شخصی میں بادشاہ بنائے گئے تھے (۵: ۲۰)۔

۱۳۔ سورۃ الفاتحہ قرآنِ عزیز کی تمام سورتوں کی سردار اور اُمّ الکتاب ہے، جس کے آغاز ہی میں خدائے بزرگ و برتر کی تعریف اس وجہ سے کی گئی ہے کہ وہ عالموں کا پالنے والا ہے، اس کی تحقیق یہ ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص روحانی اور عقلی پرورش کے سارے عظیم معجزے عوالمِ شخصی ہی میں ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں، چنانچہ جملہ انبیاء علیہم السّلام کے تمام معجزات عالمِ شخصی میں ریکارڈ اور محفوظ ہیں، تاکہ مومنین ان معجزوں کی روشنی میں اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں پر بدرجۂ معرفت ایمان لاسکیں (۲: ۲۸۵) دوسرے انبیائے کرامؑ ہی کی طرح حضرتِ عیسیٰؑ بھی خدا کے اذن سے اپنے مومنین کو بادشاہ بناتا تھا، جس میں امام کو اوّلیّت حاصل تھی، امامِ عالیمقامؑ کی روحانی بادشاہی کی بُنیادی اور خاص علامتیں دو ہیں: (۱) کائناتی علم (۲) کائناتی جسم، یعنی جثّۂ ابداعیہ (۲: ۲۴۷) الحمد للہ ربّ العالمین۔

نصیر الدّین نصیرؔ (حُبِّ علی) ہونزائی کراچی

اتوار (رادِت)، ۱۰ شوال المکرّم ۱۴۱۸ھ ۸۔ فروری ۱۹۹۸ء

حکیم پیر ناصرِ خسرو ق س

روشنائی نامہ میں فرماتے ہیں

۱، توئی جانِ سخنگویِ حقیقی — کہ با روح القدس دایم رفیقی
۲، بچشمِ سر جمالت دیدنی نیست — کسی کُو دید "رُویت" چشمِ معنیست
۳ زجای واز جہت باشی مُنزہ — ببین تا کیستی انصافِ خود دہ
۴، صفتہایت صفتہایِ خدائیست — ترا این روشنی زان روشنائیست
۵، ھمی بخشند کنز و چیزی نکاھد — ترا دادو دھد آن را کہ خواھد
۶، زنورِ او تو ہستی ہمچو پرتو — وجودِ خود بپرداز و تو او شو
۷، حجابت دور دارد گر نجوئی — حجاب از پیش برداری تو اُوئی
۸، اگر دعویٰ کنم واللہ کہ جایست — حقیقت ناصرِ خسرو خدائیست

ترجمہ : (۱) تو ایک ایسی بولنے والی حقیقی جان (روح) ہے، کہ جس میں تو ہمیشہ روح القدس کے ساتھ رہتا ہے (۲) تیرا (باطنی) حسن و جمال ایسا نہیں جس کو چشمِ ظاہر دیکھ سکے، جس نے بھی "رُویت"

کو دیکھا ہے اس نے تو چشمِ باطن سے دیکھا ہے (۳) تو مکان و زمان سے مُبرّا (ایک لامکانی حقیقت) ہے، دیکھ کہ تو کون ہے؟ اپنا انصاف خود کر لے (۴)، تیری تمام صفات خداوند تعالیٰ ہی کی صفات ہیں، تیری یہ روشنی اسی کے نور سے حاصل ہے (۵) خدا یہ (سب کچھ) اس طرح عطا فرماتا ہے کہ اس سے کوئی چیز کم نہیں ہوتی، تجھ کو دیا ہے اور بھی جن کو چاہے دے سکتا ہے (۶)، تو اس کے نور کی گویا ایک تصویر ہے، لہٰذا تو اپنی ھستی کو درست کر کے "وہ" ہو جا (۷)، اگر تو اس کو طلب نہ کرے تو پردہ تجھ کو اس سے دور رکھے گا، جب تو سامنے سے پردہ ہٹائے گا تب تجھ کو یقین ہو گا کہ تو "وہ" ہے (۸)، اگر میں دعویٰ کروں تو خدا کی قسم کہ یہ درست ہے، کہ حقیقت میں ناصرِ خسرو خدا ہے۔

۱، مر این را عالمِ صُغرااش گفتند — مر آن را عالمِ کُبرااش گفتند
۲، شُدہ بر آفرینش جملہ سالار — بمعنی ھم جہان و ھم جہاندار
۳، پس و پیش و نہان و آشکار اوست — شناسائے خود و پروردگار اوست
۴، ھمہ ہم محدثند و ھم قدیمند — ھمہ ھم جاھلند و ھم حکیمند
۵، ھمہ دارند استعدادِ ہر شئی — بمعنی و بصورت میّت و حیّ
۶، اگر چہ آفریدہ زان و اینند — ز خود ھر لحظہ چیزی آفرینند
۷، چُنینند انبیا و اولیا شان — کہ ارز د مُلکِ عالم خاکِ پا شان

ترجمہ: (۱) اِس (یعنی انسان) کو عالمِ صغیر کہا گیا ہے اور اُس

(عالمِ ظاہر) کو عالمِ کبیر کہتے ہیں (۲)، انسان تمام مخلوقات پر سردار ہے، حقیقت میں یہ جہان بھی ہے، اور جہان کا بادشاہ بھی (۳) یہ صفات اس کو خدا نے دی ہیں کہ یہ اوّل و آخر بھی ہے اور ظاہر و باطن بھی، اسی طرح یہ اپنی روح کا عارف بھی ہے اور پالنے والا بھی (۴) عجیب بات تو یہ ہے کہ سب کے سب ایک اعتبار سے محدّث ہیں اور دوسرے اعتبار سے قدیم ہیں، اسی طرح یہ جاہل بھی ہیں اور حکیم بھی (۵) یہ تمام کے تمام ہر چیز کی صلاحیت رکھتے ہیں، ظاہراً و باطناً یہ مردہ بھی ہیں اور زندہ بھی (۶) اگرچہ یہ مختلف چیزوں سے پیدا کئے گئے ہیں، لیکن یہ ہر دم اپنی ذات سے کچھ نہ کچھ پیدا کرتے رہتے ہیں (۷)، ایسے ہی عظیم ہیں ان کے انبیا و اولیا علیہم السّلام، کہ اس جہان کی بادشاہی ان کی خاکِ پا کی قیمت سے زیادہ نہیں ہے۔

ان حکمت آگین اشعار سے عیاں ہے کہ ہمارے پیران و بزرگانِ دین کا علمی و عرفانی مقام کتنا عالی اور عظیم اسرار سے مملو ہے، آپ ان اشعار کو عشق و محبّت سے پڑھیں، یقین ہے کہ آپ مرتبۂ روحِ انسانی سے واقف ہو جائیں گے، آپ کے بہت سے سوالات خواہ شعوری ہوں یا غیر شعوری ختم ہو جائیں گے، کیونکہ یہاں عمدہ سے عمدہ تعلیمات کا نچوڑ اور جوہر ہے، یا اس میں خزائنِ علم و حکمت کی کلیدیں ہیں، جو لوگ حقیقی علم کے

حسن و جمال پر مرتے ہیں (یعنی جان و دل سے عاشق ہوتے ہیں)
صرف وہی نیک بخت اشخاص رفتہ رفتہ علمی خزائن ہو جاتے ہیں،
علم ایک نور ہے جو صرف پاکیزہ دلوں میں ٹھہر سکتا ہے۔

نصیر الدین نصیرؔ (حُبِّ علی) ہونزائی
کراچی
جمعرات ۱۴ شوال المکرّم ۱۴۱۸ھ ۱۲ فروری ۱۹۹۸ء

ISW
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

اِطاعت کا سب سے بڑا انعام

۱۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری، رسولِ کریمؐ کی فرمانبرداری، اور امامِ زمانؑ کی فرمانبرداری ہی سے بحقیقت قرآن اور اسلام کی کامل و مکمل اطاعت ہو جاتی ہے، یہ وہ مقدس اور اعلیٰ اطاعت ہے، جس کے بارے میں حدیثِ قدسی میں یوں ارشاد ہوا ہے: یَابْنَ اٰدَمَ اَطِعْنِیْ اَجْعَلْکَ مِثْلِیْ حَیًّا لَایَمُوْتُ وَعَزِیْزًا لَایَذِلُّ وَغَنِیًّا لَایَفْتَقِرُ۔ اے فرزندِ آدم! تو میری اطاعت کر (جیسا کہ اطاعت کا حق ہے) تاکہ میں تجھ کو ایسا بناؤں گا جیسا میں خود ہوں، ایک ایسا زندہ جو کبھی نہیں مرتا اور ایسا صاحبِ عزت جو کبھی ذلیل نہیں ہوتا اور ایسا غنی جو کبھی مفلس نہیں ہوتا ہے (زاد المسافرین، ص ۱۴۳، المجالس المؤیدیہ، المائۃ الاولیٰ، ص ۵۵، ہزار حکمت، ح ۱)۔

۲۔ اے نورِ عینِ من! یہ از بس مفید حکمت ہرگز فراموش نہ ہو کہ خدا و رسولؐ کے کلامِ پاک میں جہاں بھی ابنِ آدم/ بنی آدم

کا ذکر آیا ہے، اس سے آدمِ زمان ؑ کے روحانی فرزند مراد ہیں، پس کسی شک کے بغیر مذکورۂ بالا حدیثِ قدسی کا یہ مبارک خطاب انہیں حضرات سے ہے، جیسے سورۂ اعراف (۷/۳۱) کے ارشاد سے بنی آدم کی شاندار خصوصیت معلوم ہوتی ہے: یٰبَنِیٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ۔ اے بنی آدم، ہر عبادت کے موقع پر اپنی (روحانی) زینت سے آراستہ ہو جاؤ۔ یعنی تم ہر عبادت ایسی محویت سے کرو کہ جس کی اثر انگیزی سے تمہارا سارا باطن پُرنور ہو جائے، یہ ہوئے بنی آدم جن کو ایسا عظیم الشّان حکم ہوا ہے۔

۲۔ بنی آدم کی سب سے بڑی کرامت و فضیلت کا بیان سورۂ بنی اسرائیل (۱۷/۷۰) میں ہے، لیکن اس کی معنوی گہرائی کے عجائب و غرائب کا مشاہدہ کرنے کی غرض سے چند حکمتوں کا سہارا لینا ہوگا، وہ یہ ہیں: اوّل: خدا کے نزدیک سب سے اکرم (معزّز) شخص وہ ہے جو سب سے مُتّقی ہو (۴۹: ۱۳)۔ دوم: تقویٰ جو خوفِ خدا ہے وہ حقیقی علم کے بغیر نہیں (۳۵: ۲۸) نیز کلمۂ تقویٰ ایک اسم ہے جو خدا خود کسی کے باطن میں لازم (چسپاں) کر دیتا ہے (۴۸: ۲۶)۔ سوم: جب اللہ تعالیٰ کے عرش کا ظہور بحرِ علم پر ہوا، تو اس وقت فرشتۂ عرشِ عظیم نے ایک اسمِ بزرگ الاکرم کا ذکر کیا، اس میں بہت سے اشارے ہیں، یہ اسم سورۂ علق (۹۶/۳)

میں بھی ہے، اِس کا ایک پُر حکمت اشارہ البتّہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ ہر ابنِ آدم کو علم و تقویٰ سے اکرم بنانا چاہتا ہے، اور ہر اکرم کو الاکرم میں فنا کر لیتا ہے۔

۴۔ اب بنی آدم کی کرامت اور فضیلت سے متعلّق آیۂ کریمہ کو پڑھ لیں: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ = اور ہم نے بنی آدم کو کرامت (عزّت) دی۔ یعنی علم اور تقویٰ کے اوصاف و کمالات کے ساتھ ہم نے بنی آدم کو سب سے اکرم (معزّز) بنا دیا۔ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ = اور انہیں خشکی و تری میں سواریاں عطا کیں۔ یعنی عالمِ شخصی کے مراحلِ برّی اور منازلِ بحری میں ہم ان کو اُٹھاتے گئے، یہاں تک کہ ہم نے ان کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کر دیا (۳۶: ۴۱) اور یہی کشتی علم کے پانی پر اللہ کا عرش بھی ہے (۱۱: ۷)، وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (۷۰:۱۷)، اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔ یعنی ان کو علمِ لدُنّی کی دولت سے مالا مال فرمایا اور خلائق پر فضیلت عطا کی۔

۵۔ دورِ اعظم کے بنی آدم انبیا و اولیا علیہم السّلام اور ان کے ذیلی حدود ہیں، اس دلیل کی روشنی میں اُن آیاتِ کریمہ کی حکمت کو سمجھنے میں بڑی حد تک مدد ملتی ہے، جو بنی آدم کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، کیونکہ ان کے مصداق پیغمبران اور امامان ہیں،

جو حضرتِ آدم خلیفۃ اللہ کی تمام تر خصوصیات رکھتے ہیں، جیسے دنیا میں کسی بادشاہ کے بیٹے کو شاہ زادہ کہنا اِس معنیٰ میں ہوتا ہے کہ وہ ہر صفت میں اپنے باپ ہی کی طرح ہوتا ہے، چُنانچہ قرآنِ حکیم جن حضرات کو بنی آدم کہتا ہے، وہ عوام النّاس نہیں ہیں، اس کا سب سے روشن ثبوت بھی قرآن ہی سے مل سکتا ہے، وہ یہ کہ جب حضرتِ نوحؑ کا بیٹا کنعان نافرمان ہو گیا تو اسی کے ساتھ اس کا رشتۂ پدری ہمیشہ کے لئے ٹوٹ گیا (۱۱: ۴۶)، پھر جو لوگ وارث و جانشینِ آدم سے الگ ہیں، وہ کیونکر بحقیقت بنی آدم ہو سکتے ہیں۔

نصیر الدین نصیرؔ (حُبِّ علی) ہونزائی

کراچی

ہفتہ ۱۶ ؍ شوال المکرم ۱۴۱۸ھ ۱۴ ؍ فروری ۱۹۹۸ء

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

دُرُودِ شریف کی عظیم حکمت

۱۔ درودِ شریف کے باب میں جتنا بھی لکھا جائے کم ہے، یہ تو بہت بڑی سعادت اور قلمی ذکر و عبادت ہے، کیونکہ یہ بڑی کثرت سے پڑھنے اور زیادہ سے زیادہ یاد کرنے کی مقدّس و مبارک چیز ہے، جبکہ قرآنِ پاک (۳۳: ۵۶) میں اس کا حکم ایک خاص نہج پر دیا گیا ہے، لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ درود کی خاصیّت و فضیلت بڑی حیرت انگیز اور بیحد تعجّب خیز ہے کہ اہلِ ایمان سے فرمایا گیا: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے رسول پر صلوات بھیجتے ہیں تو اے صاحبانِ ایمان تم بھی نبی پر صلوٰۃ بھیجتے رہو اور سلام کرتے رہو (یعنی بدرجۂ کمال تسلیم کرو۔ ۳۳: ۵۶)۔ پس یہ انتہائی حیران کن حکمت ہے کہ اللہ اور اس کے ملائکہ پیغمبرِ اکرمؐ پر درود بھیجتے ہیں، اور اسی حال میں ساتھ ہی ساتھ اہلِ ایمان کو بھی اِس امرِ عظیم کی دعوت دی جاتی ہے۔

۲۔ مذکورۂ بالا آیۂ کریمہ سورۂ احزاب میں ہے، اسی سورہ میں

اہلِ ایمان پر درود کے بیان سے قبل یہ شرط بتائی گئی ہے؛
اے ایمان والو! بڑی کثرت سے خدا کی یاد کیا کرو، اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہو (۳۳-۴۱-۴۲) اس کے بعد ارشاد ہے: وہ وہی ہے جو خود تم پر درود بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تاکہ تم کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آئے، اور خدا تو مومنین پر بڑا مہربان ہے (۳۳-۴۳) یہاں بڑی ہوشمندی سے سوچنے کی ضرورت ہے، اوّل تو یہ سوال ہے کہ اس سماوی درود (صلوات) میں کونسی نعمت ہے؟ یا کیا کیا نعمتیں ہیں؟ ان کی کچھ معرفت ہونی چاہیئے، دوسرا سوال یہ ہے کہ آیا یہ درود اہلِ ایمان پر براہِ راست نازل ہوتا ہے یا محمّدؐ و آلِ محمّدؐ کے وسیلے سے؟ تیسرا سوال یہ سامنے ہے کہ جب ہم بحکمِ خدا آنحضرتؐ پر صلوات پڑھتے ہیں، تو کیا یہ محبوبِ خداؐ کے حق میں ہماری کوئی سفارش ہے یا اپنے لئے صلواتِ سماوی کی درخواست ہے؟

۳۔ حق بات تو یہ ہے کہ اہلِ معرفت ہی نے کثرتِ ذکرِ الٰہی سے صلواتِ سماوی کی عظیم الشّان نعمتوں کو حاصل کیا ہوگا، اور ان میں سردار نعمت علم ہی کی ہو سکتی ہے، کیونکہ قرآنِ حکیم کا یہی ہمہ رس اور کائنات گیر اشارہ ہے کہ ہر چیز کے نام میں علم ہی کا بیان ہے، مگر جو درود اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھیجتے ہیں، اس میں نورانی علم ہے، یعنی علمِ لدُنّی، جیسا کہ آپ

دیکھتے ہیں کہ درود کا مقصد یہی ہے کہ اہلِ ایمان کو جہالت و نادانی کی تاریکیوں سے نکال کر نورِ علم و حکمت میں داخل کیا جائے۔

۴۔ صحیح بُخاری، جلدِ دوم، باب ۸۰۵ میں ہے کہ آنحضرتؐ سے پوچھا گیا کہ آپؐ پر "صلوٰۃ" کا کیا طریقہ ہوگا؟ آنحضورؐ نے فرمایا کہ یوں پڑھا کرو: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اے اللہ! درود بھیج حضرت محمدؐ پر اور حضرتِ محمدؐ کی اولاد پر جس طرح کہ تو نے درود بھیجا حضرت ابراہیم پر اور حضرت ابراہیم کی اولاد پر، بے شک تو تعریف کے لائق اور بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! برکت نازل فرما حضرتِ محمدؐ پر اور حضرتِ محمدؐ کی اولاد پر جس طرح کہ تو نے برکت نازل فرمائی حضرت ابراہیم پر اور حضرتِ ابراہیم کی اولاد پر، بے شک تو تعریف کے لائق اور بزرگی والا ہے۔ اس حدیث کے کئی حوالہ جات ہیں۔

۵۔ اس حقیقت میں کوئی شک ہی نہیں کہ حضورِ پاکؐ محبوبِ خدا اور سیّد الانبیاء ہیں، لہٰذا آپؐ کی ذاتِ عالی صفات پر اور آپؐ کی اولادِ اطہار پر اللہ تعالیٰ کی خاص خاص عنایات و نوازشات ہیں، تاہم یہ بھی آپؐ ہی کی شانِ جمال و جلال ہے

کہ دوسرے پیغمبروں کے آئینہ ہائے قرآن میں بھی آنحضرتؐ کی اور آپؐ کی اولاد کی تجلّیات روح پرور کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، پس یقیناً حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ اور آلِ ابراہیم کے قصۂ قرآن میں حضرتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے اسرارِ معرفت پنہان ہیں، اور مذکورہ حدیث (درودِ شریف) کا حکیمانہ اشارہ یہی بتاتا ہے، جس میں اہلِ دانش کے یقین کے لئے روشن دلائل موجود ہیں۔

۶۔ مذکورہ حدیثِ شریف جو درود بھی ہے سماوی حکمتوں سے لبریز ہے، کیونکہ صاحبِ جوامعُ الکلم کا کلام انتہائی پاک و پاکیزہ اور نورِ وحی سے کاملاً منوّر و تابان ہوتا ہے، ایسے میں ہر دانشمند مومن کو احادیثِ صحیحہ کی معنوی گہرائی اور حکمت کا خیال رکھنا ہوگا، چنانچہ صلوٰۃ (درود) میں کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں، من جملہ حکمتِ اوّل یہ ہے کہ اس میں حضرتِ ابراہیم خلیل اللہؑ اور حضرتِ محمد حبیبُ اللہؐ کی مماثلت کا بیان ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے خلیلؑ کو تمام لوگوں کا امام بنایا تھا (۲/۱۲۴)، جس سے سارے زمانوں کی امامت مراد ہے، کہ خدا کی اس عنایتِ بے نہایت سے آپؑ اپنے آبا و اجداد میں بھی اور سلسلۂ اولاد میں بھی امام نظر آنے لگے، اسی طرح خداوندِ عالم نے اپنے حبیبؐ کو اوّلین، حاضرین، اور آخرین کا امام بنایا تھا، اور حضورؐ کا سب سے بڑا مرتبہ یہ ہے کہ آپؐ سیّدالانبیاء والمرسلین

ہیں۔

۷۔ حکمتِ دوم: اِس درودِ شریف کے معجزاتی مدلّل و مبرہن الفاظ سے یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہو جاتی ہے کہ آلِ محمّد اپنے اوصافِ نورانیت میں آلِ ابراہیمؑ کی طرح ہیں، بلکہ آلِ ابراہیمؑ کا سلسلہ تو اب رسولِ پاکؐ پر آکر آلِ محمدؐ کی صورت میں جاری و ساری ہے، جیسے سورۂ نساء (۴/۵۴) میں ارشاد ہے: ہم نے تو ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور عقل و حکمت کی باتیں عطا فرمائی ہیں اور ان کو بہت بڑی سلطنت بھی دی ہے (۴/۵۴)۔

۸۔ حکمتِ سوم: مُحوّلۂ بالا آیۂ مقدسہ کے مطابق آلِ ابراہیمؑ (آلِ محمدؐ) کے پاس تین انتہائی عظیم چیزیں ہیں: اللہ کی کتاب، حکمت، اور روحانی سلطنت، ان میں سے ایک چیز سب پر ظاہر ہے، وہ اللہ کی پاک کتاب (قرآن) ہے، جو دوسرے بیشمار فوائد کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کی روشن دلیل بھی ہے کہ جب تک دُنیا میں خدا کی آخری کتاب باقی ہے، تب تک آلِ محمدؐ یعنی أئمۂ طاہرین کا سلسلہ بھی جاری ہے، کیونکہ یہی حضرات بحکمِ خدا قرآن کے وارث ہیں، جیسا کہ سورۂ فاطر (۳۵/۳۲) میں ارشاد ہے: پھر ہم نے اپنی اِس کتاب کا وارث اُن کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کر لیا تھا۔

۹۔ حکمتِ چہارم: سُورۂ احزاب (۳۳/۵۶) کے مطابق صَلُّوْا

کے معنی ہیں: تم درود بھیجو، اگر اس صیغۂ امرِ جمع کو واحد بنایا جائے تو اس کی صورت یہ ہوگی: صَلِّ۔ تو درود بھیج، اِس مناسبت سے یہ معنی بالکل درست ہیں، اب آیئے سورۂ توبہ (۹: ۱۰۳) کے اس حکم کو دیکھتے ہیں، جس میں آنحضرتؐ سے فرمایا گیا ہے: وَصَلِّ عَلَیۡہِمۡ، اس کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ وہی درودِ سماوی ہے جو خدا اور اس کے فرشتے اہلِ ایمان پر بھیجتے ہیں (۳۳/۴۳) مگر اللہ تعالیٰ کی اتنی عظیم نعمت رحمتِ عالمؐ کے بغیر کس طرح مومنین کو مل سکتی ہے، لہٰذا آپ یقین کریں کہ خدائے مہربان کا انعامِ درود ایمانداروں کو رسولِ کریمؐ اور آپؐ کے جانشین پہنچا دیتے ہیں۔

۱۰۔ **حکمتِ پنجم:** صلوٰۃ (درود) کے معنی درجہ بدرجہ بلند ہوتے ہوئے حظیرۂ قدس تک پہنچ جاتے ہیں، کیونکہ مومنین و مومنات کے الگ الگ بہت سے درجات مقرّر ہیں، تا آنکہ بعض سالکین حظیرۃ القدس تک رسا ہو جاتے ہیں، اس صورتِ حال کے باوجود آسمانی درود بواسطۂ رسولؐ یا بوسیلۂ امامِ زمانؑ وہ سرچشمۂ تسکین ہے، جس سے ہر درجے کے قلب و جان کو اطمینان مل سکتا ہے (مفہوم: ۹/۱۰۳)۔

۱۱۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ حضرتِ رسولؐ اور آپؐ کی آل پر کس طرح مسلسل درود کا نور برساتے رہتے ہیں، اس کی کائناتی

تفسیر یہ ہے کہ خداوندِ جہان خورشیدِ انور پر باہر سے کوئی روشنی نہیں ڈالتا، بلکہ خود اس کے باطن ہی میں لگاتار نور پیدا کرتا رہتا ہے، چونکہ وہ مادّی نور کا انتہائی عظیم کارخانہ ہے، اس لئے اس کا دائمی کام یہ ہے کہ وہ ہر لحظہ اپنی روشنی کی طوفانی لہریں اطرافِ کائنات میں دوڑاتا رہے، قانونِ فطرت کی اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ پیغمبرؐ اور امامؑ پر اللہ کا درود یہ ہے کہ ان کی ذات میں سب کے لئے ہمیشہ اور مسلسل نورِ درود پیدا کرتا رہتا ہے، اور نور وہ حقیقت ہے، جس میں تمام معانی جمع ہیں، یعنی اس میں سب کچھ ہے۔

۱۲۔ اے برادران و خواہرانِ روحانی! آپ سے میں چند ضروری مگر آسان سوالات کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہیں: (الف) آیا نورِ منزل اور کتابِ مبین (۵/۱۵) اِس جہان میں خدا کے دو عظیم خزانے نہیں ہیں؟ (ب) کیا دین کی ہر چیز خزائنِ الٰہی (۱۵/۲۱) سے نازل نہیں ہوتی ہے؟ (ج) آیا یہ حقیقت نہیں کہ آسمان زمین کی ہر لطیف چیز اور ہر خزانہ امامِ مبین (۳۶/۱۲) میں محدود ہے؟ (د) آخری سوال: کیا درودِ سماوی خزانۂ کُل ہی سے مل سکتا ہے یا نہیں؟

نصیر الدین نصیرؔ (حُبِّ علی) ہونزائی

کراچی

بدھ ۲۷ شوال المکرم ۱۴۱۸ھ ۲۵ فروری ۱۹۹۸ء

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

اسلام میں سعی و سبقت کی اہمیّت

۱۔ سَعی کے معنی ہیں: محنت، دوڑ، کوشش، کمائی، جیسا کہ سورۂ نجم (۵۳/۳۹) میں ارشاد ہے: وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی = اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔ اس ربّانی ارشاد کے مطابق روحانی ترقی کے لئے سخت محنت اور کوشش کرنے کی ضرورت ہے، اور علم و عمل کی صورت میں سعی ہدایتِ حقّہ کی روشنی میں ہونی چاہیئے، ورنہ محنت و کوشش رائگان جائے گی۔

۲۔ سَعی کے معنی دوڑنے کے بھی ہیں، یعنی ذکر و عبادت اور علم و عمل کی تیز رفتاری سے منزلِ مقصود کی طرف جانا، جیسے سُورۂ ذاریات (۵۱/۵۰) میں ارشاد ہے: فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ = تو تم اللہ ہی کی طرف دوڑو۔ یہاں شاید کوئی شخص یہ سوال کرے کہ صراطِ مستقیم پر دوڑنے میں کیا حکمت ہے، حالانکہ آہستہ و آرام سے بھی چلا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ صراطِ مستقیم پر دوڑنا

جہادِ اکبر کے معنی میں ہے، کیونکہ راہِ راست پر چلنے والوں کے خلاف شیطان اپنے لشکر کے ساتھ چاروں طرف سے حملہ کرتا ہے، لہٰذا سب سے کامیاب طریقہ یہی ہے کہ مجاہدین دشمن کی اُس صف کو چیر کر آگے جائیں، جس میں سامنے سے جنگ ہو رہی ہے، جس کی وجہ سے روحانی ترقی میں رکاوٹ ہوتی ہے (۷/۱۶)۔

۳۔ دوڑنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے ایمان والوں کو نیک کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کا حکم دیا ہے، جیسے سورۂ حدید (۵۷/۲۱) میں ارشاد ہے: ایک دوسرے پر سبقت کرو اپنے پروردگار کی مغفرت اور اس جنّت تک پہنچنے کے لئے، جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت جیسی ہے اور یہ تیار کی گئی ہے ایسے لوگوں کے لئے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں، یہ اللہ کا فضل ہے کہ وہ جسے چاہے دیتا ہے اور خدا صاحبِ فضلِ عظیم ہے۔ اسرارِ معرفت میں سے ایک سرِّ عظیم یہ بھی ہے کہ مذکورہ جنّت جو کائناتی ہے، ان لوگوں کے عالمِ شخصی سے تیار کی جاتی ہے، جن کو بفضلِ خدا علم و عمل میں سبقت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ خدا کی ہر چیز زندہ مگر سب سے اعلیٰ مخلوق ہوا کرتی ہے اور ایسی مخلوق انسانِ کامل ہی ہے، جو ایک ہونے کے باوجود ھزار اندر ھزار ہے، بلکہ بے شمار ہے، کیونکہ وہ عالمِ وحدت

ہے، جس میں سب کچھ ہے، مگر جوہر اور وحدت و سالمیت کی شکل میں۔

۴۔ یقیناً قرآنِ حکیم نیک کاموں میں سبقت کرنے کا حکم دیتا ہے، آپ قرآنِ حکیم میں دیکھ سکتے ہیں، جیسے سورۂ مومنون (۲۳/۶۱) میں ہے: جی ہاں! یہی لوگ ہیں کہ جو بھلائیوں میں جلدی کرتے اور دوسروں پر سبقت لے جاتے ہیں (۲۳: ۶۱)۔ جلدی اور سبقت کی ایک مناسب مثال یہ ہے: دائمی ذکرِ سریع، نیک کاموں میں جوش و جذبہ اور عشق، عاجزی اور بھرپور توجّہ سے عبادات کی بروقت ادائیگی، کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ یا دِ الٰہی، وسوسہ اور خیالِ باطل کو قطعاً ختم کرنا، اور اپنی ذات میں ذکرِ سریع کی برق رفتاری کو پیدا کرنا۔

۵۔ اے عزیزانِ من! یہ قرآنی اور روحانی راز آپ کے لئے ایک گنجینہ ہے کہ جب خداوندِ قدّوس کسی بشر (انسانِ کامل) کو اپنے دیدارِ پاک سے نوازتا ہے تو اُس حال میں اللہ اس سے کلام نہیں فرماتا، صرف وحی (اشارہ) ہوتی ہے کہ خود دیدار جو ٹی کی وحی ہے، بفرضِ محال اگر اس مقام پر دیدار کے ساتھ ساتھ کلام بھی ہوتا، تو دیدار میں جتنے پُر از حکمت اشارات ہیں، وہ سب ضایع ہو جاتے، اس سے نچلے درجے میں حجاب کے پیچھے سے کلام ہوتا ہے، اس سے بھی نچلے درجے میں بتوسطِ فرشتہ وحی بھیجی جاتی ہے

(مفہوم ۴۲/۵۱)۔

۶۔ ہر آیۂ قرآن میں قانونِ بالا کے مطابق تین عظیم چیزیں ہیں: (الف) خاموش دیدار کی وحی (اشارہ) کی طرح اشارے ہیں، (ب) مجبوب کلام کی طرح باطنی حکمتیں ہیں، (ج) فرشتے کی لائی ہوئی وحی کے مطابق ظاہری تنزیل ہے، اس ضروری بیان کے بعد ایک عظیم الشّان آیت میں جلدی اور سبقت کے راز کو دیکھتے ہیں، وہ آیۂ کریمہ یہ ہے: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ سَاُورِیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ (۲۱/۳۷)۔ انسان کی (باطنی) تخلیق سُرعت سے ہوتی ہے، میں عنقریب تمہیں اپنی آیات دکھاؤں گا تاکہ تم سُرعت نہ کروگے۔ یعنی انسان کی باطنی پیدائش نہیں ہوتی ہے، جب تک کہ امامِ زمان علیہ السّلام اس کو اسمِ اعظم عطا نہ کرے، جب مولا کسی شخص کو اسمِ اکبر کا ذکر دیتا ہے، اور وہ خوش نصیب انسان اسمِ بزرگ کے ذکرِ سریع سے کامیاب ہو جاتا ہے تو اس کے لئے عالمِ شخصی کا دروازہ کُھل جاتا ہے، اور اس کی باطنی تخلیق شروع ہو جاتی ہے اسی طرح وہ اہلِ زمانہ پر سبقت کرتا ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ ایسے انسان کو عالمِ شخصی میں اپنی آیات (معجزات) دکھاتا جاتا ہے، تاآنکہ حظیرۂ قدس میں جاکر زمان ومکان کی تمام مسافتیں ختم ہو جاتی ہیں، اور جلدی وسبقت کا مقصد بھی پورا

ہو جاتا ہے، کیونکہ اب یہاں سے آگے نہ کوئی جلدی ہے اور نہ کوئی سبقت ہے، ہاں، یہاں ازل اور لامکان ہے، جہاں نور ایک دائرے میں دوڑ رہا ہوتا ہے، یہ فلا تستعجلون کی تفسیر ہے۔

۸۔ جب مومنِ سالک کی ذاتی اور روحانی قیامت برپا ہو جاتی ہے تو اس وقت اسمِ اعظم کا ذکرِ مبارک از خود ہمیشہ جاری رہتا ہے، مومن کا ذکرِ سریع حقیقی معنوں میں ذکرِ سریع (سعی وسبقت) ہو جاتا ہے، اور قیامت کے بہت سے معجزات میں اذکار، عبادات اور تسبیحات کا معجزہ بھی ہے، ہم نے اس کی تفریح حضرتِ داؤد علیہ السلام کی تسبیح خوانی میں کی ہے، کہ ان کا قصّہ اصلاً روحانیّت اور قیامت کا قصّہ ہے۔

۹۔ سورۂ صافّات ($\frac{۳۷}{۱۰۲}$) کے مطابق "السّعی" روحانیّت کی ایک منزل کا نام بھی ہے، یہ ظہورِ اسرافیل و عزرائیل کی منزل ہے جہاں سعی وسبقت بھی ہے اور فنا بھی، چنانچہ ارشاد کا ترجمہ ہے: جس وقت اسماعیل باپ کے ساتھ السّعی میں پہنچ گیا تو باپ نے کہا، بیٹا! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں دیکھو اس میں، تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا، ابّا جان! آپ کو جو حکم ملا ہے اس کی تعمیل کیجیئے، ان شاء اللہ، آپ مجھے صابرین سے پائیں گے۔ جو باسعادت لوگ فنا فی الامامؑ، فنا

فی الرسولؐ، اور فنا فی اللہ ہو جاتے ہیں، ان کو بھی راہِ خدا میں باطناً ذبح کیا جاتا ہے، اور ان کو روحانی شہادت کا مرتبہ بھی حاصل ہوتا ہے۔

نصیر الدّین نصیرؔ (حُبِّ علی)، ہونزائی
کراچی
بدھ ۴، ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ ۴، مارچ ۱۹۹۸ء

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

موت قبل از موت
یا
حساب قبل از حساب

ا۔ موت دو قسم کی ہوا کرتی ہے: (۱) اختیاری (۲) اضطراری، قسمِ اوّل میں اللہ کی خوشنودی کی وجہ سے بے شمار فوائد ہیں، کیونکہ اسی میں جہادِ اکبر کا انتہائی مشکل میدان سامنے آتا ہے، جس میں اگر آپ نے عالی ہمتی اور ثابت قدمی سے کام لے کر اپنے عالمِ شخصی کو فتح کر لیا تو اسی کے ساتھ ساتھ تسخیرِ کائنات بھی ہو جاتی ہے، تسخیرِ کائنات؟ جی ہاں، اس کے عظیم ثمرات اتنے زیادہ ہیں، اور اس کثرت سے ہیں، کہ کوئی بشر ان کو شمار ہی نہیں کر سکتا، مگر یہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں سر تا سر انہی نعمتوں کی مجموعی تعریف آئی ہے، پس شہیدانِ باطن پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل و کرم ہے۔

کہ وہ نہ صرف شہید اور غازی ہو گئے، بلکہ راہِ خدا میں قربان (ذبح) بھی ہو چکے تھے، کیونکہ روحانیت میں حضرتِ اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السّلام کی پاک سُنّت جاری ہے۔

۲۔ آپ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اس ارشادِ مبارک کو ہر وقت پیشِ نظر رکھیں، جو جہادِ اکبر سے متعلّق ہے، وہ یہ ہے: رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ = آج ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس آئے ہیں۔ خوب غور سے سُننے کی ضرورت ہے کہ جب جہاد دو قسم کا ہے: جسمانی اور روحانی (یا ظاہری اور باطنی)، تو لازمی طور پر شہادت (مقدّس موت) بھی دو قسم کی ثابت ہوئی، ایک جسمانی شہادت ہے اور دوسری روحانی شہادت، اب ہم بتوفیقِ خداوندِ قدّوس عنوانِ بالا کے تحت اختیاری موت اور ذاتی قیامت کے بعض حقائق و معارف بیان کریں گے۔

۳۔ قرآنِ حکیم میں جہاں جہاں اجتماعی احکام آئے ہیں، وہاں ہر شخص کے لئے انفرادی حکم بھی ہے، جیسے سورۂ بقرہ (۲/۵۴) میں ارشاد ہے: فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ = اپنے تئیں ہلاک کرو۔ یعنی ہر فرد بذریعۂ ریاضت نفس کُشی کرے تاکہ روحانی ترقّی اور رجوع الی اللہ کے معنی میں درجۂ انتہا کی توبہ ہو جائے، کیونکہ گوسالہ پرستی جہالت سے کی گئی تھی، جس کا حقیقی علاج خود شناسی اور معرفت ہے،

نہ کہ شمشیرِ بُرّان اور ظاہری قتل، پس یہ نفسانی موت قبل از جسمانی موت کی ایک روشن دلیل ہے۔

۴۔ اے برادران و خواہرانِ دینی! آپ اس حکمت کو بھی یاد رکھیں کہ حساب قیامت کے ناموں میں سے ہے، چنانچہ مریم سلامُ اللہ علیہا کے بارے میں حکایتاً (برسبیلِ تذکرہ) ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ (۳۷:۳)، ترجمۂ اوّل: بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ ترجمۂ دوم: یقیناً خداوندِ عالم جس کو چاہتا ہے قیامت کے بغیر بھی علم عنایت فرماتا ہے۔ یعنی انبیا و ائمہ علیہم السّلام کو نورانی علم ذاتی قیامت سے پہلے بھی ملتا رہتا ہے اور بعد میں بھی، اس کے برعکس اگر ہم ترجمۂ اوّل ہی پر ٹھہرے رہیں تو یہ صرف دُنیا کے اغنیاء ہی کی تعریف ہوگی، حالانکہ مذکورۂ بالا آیۂ کریمہ میں پیغمبروں اور اماموں کی تعریف ہے کہ ان کے پاس ہمیشہ علمِ سماوی آتا رہتا ہے۔

۵۔ مریم علیہا السّلام کا یہ تذکرہ ذاتی قیامت سے پہلے کا ہے، درحالے کہ اُس کو اولیائی علم آنے لگا تھا، قیامت ایک طویل باطنی سفر کا نام ہے، اس کے بہت سے مراحل ہیں، مریمؑ کی روحانی قیامت کا بیان سورۂ مریم (۱۹: ۱۶-۲۶) میں ہے، جس میں حضرتِ عیسیٰ علیہ السّلام کے باطنی تولّد کی تمثیل جسمانی تولّد سے دی گئی ہے اس قصّے (۱۹: ۲۳) میں قیامت کی سختی کی ایک چھوٹی سی

مثال گویا زچگی کی سختی ہے، اس وقت حضرت عیسیٰؑ کا نورانی جنم مرتبۂ عقل پر ہوتا ہے، قرآنِ حکیم میں جگہ جگہ روحانی قیامت کا ذکر ہے اسی معنیٰ میں حکیم پیر ناصر خسروؒ کا یہ پُر حکمت شعر ہے۔

هُوَالاوّل هوالآخر هوالظّاهر هوالباطن

مُنزّہ مالکُ الملکی کہ بے پایان حشر دارد

ترجمہ: وہ اوّل بھی ہے آخر بھی اور ظاہر بھی ہے، باطن بھی، وہ ایسا پاک بادشاہ ہے کہ اس کی قیامتوں کا سلسلہ ہمیشہ جاری ہے۔

۶۔ حدیثِ شریف میں ہے: حَاسِبُوْا اَنْفُسَکُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا ۔ تم اپنا محاسبہ خود کرو، قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔ یعنی زندگی ہی میں اپنے یومُ الحساب کا سارا کام مکمل کر لو، اس سے پیشتر کہ تم پر بے اختیاری یوم الحساب آجائے، کیونکہ موت اور قیامت اختیاری بھی ہے، اور اضطراری بھی، جیسا کہ ارشاد ہے، اور خدا (کی راہ) میں جہاد کرو، جیسا جہاد کرنے کا حق ہے، اس نے تم (أئمہ) کو برگزیدہ کیا ہے اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی (۲۲/۷۸)، یعنی تمہارے لئے علم و عمل کی ہر چیز ممکن بنائی گئی ہے، اور کوئی نعمت ایسی نہیں جسے تم حاصل نہ کر سکو۔

۷۔ شاید آپ ہی میں سے کوئی عزیز یوں پوچھے کہ آیا مرتبۂ عقل پر نورانی تولّد صرف حضرت عیسیٰؑ ہی کے لئے خاص تھا یا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تمام اہلِ ایمان کے لئے ممکن ہے؟ ہم اس کا جواب

نشانی قرآنی حکمت ہی سے دینا چاہتے ہیں، وہ اس طرح سے ہے۔

ترجمۂ آیۂ شریفہ: اور ابنِ مریمؑ اور اس کی ماں کو ہم نے ایک نشانی (آیت) بنایا اور ان کو ہم نے ایک اونچی ہموار ٹھہرنے کے قابل چشمہ والی زمین پر جگہ دی (۵۰:۲۳)۔ یعنی ان دونوں مقدّس ہستیوں کو ربِّ کریم نے عالمِ شخصی کی بہشتِ برین پر بلند کرکے آیتِ کُبریٰ (صورتِ رحمان) بنا دیا، یہ زندہ نمونۂ جنّت ہے، جس میں داخل ہو کر جُملہ انبیاء واولیا علیہم السّلام اور متّقین اپنے باپ آدمؑ کی صورت پر ہو جاتے ہیں، اور آدمؑ رحمان کی صورت پر تھا، پس یہی ان سب کی عقلی پیدائش ہے، اور خدا کی یہ سب سے بڑی نوازش سب کے لئے ممکن ہے۔

۸۔ اے دوستانِ عزیز! آج میں آپ سب کو ایک تفصیلی مبارکبادی پیش کرنا چاہتا ہوں، وہ اس طرح سے ہے کہ واللہ! ہم میں سے کسی بھی شخص کو نہ ایسی کوئی خبر تھی، اور نہ کوئی تجربہ تھا کہ جس سے ہم دنیا بھر کی اچھّی خدمات میں سے ایک بیمثال اور بادشاہ خدمت کا انتخاب کرسکتے، یہ امر ہمارے لئے ممکن ہی نہ تھا، لیکن مولائے پاک نے ہم تمام ساتھیوں پر بہت بڑا احسان کیا، اور ہم سب کو ایک عجیب وغریب ہمہ رس خدمت کی سعادت سے سرفراز فرمایا، یہ علمی خدمت ہے، جو آبِ حیات گھر گھر پہنچانے کی طرح ہے چونکہ یہ نورانی علم کنزُ القرآن اور کنزُ الامام سے ہے، لہٰذا اس میں

ضیاءُ القلوب (دلوں کی روشنی) ہے، یہ طبِّ سماوی ہے، اِس لئے اس میں جانوں کی شفا ہے، یہ غذائے عقل و روح ہے جو ہمہ رس اور کبھی ختم نہ ہونے والی ہے، یہ عطرِ بہشت ہے، جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دنیا میں پھیل رہا ہے، اس میں قرآن، امام، اسلام، اور مذہب کی روح پرور خوشبوئیں ہیں، ان پیاری پیاری کتابوں میں خدا، رسولؐ، امامؑ، اور انسانی روح کی دلنشین معرفت کے اصل ذخائر موجود ہیں، الحمد للہ ربّ العالمین۔

۹۔ قرآنی علم و حکمت گویا ایک نورانی پانی ہے، جس کے عظیم معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ یہ تمام اعلیٰ مضامین کے ظروف میں سے ہر ظرف میں آکر اس کی ظرفیّت کے ساتھ کُلّی مطابقت کر سکتا ہے، مثال کے طور پر آج میرے پاس ظرفِ مضمون "قیامت" ہے، چُنانچہ میں ناچیز جس آیۂ شریفہ سے بھی رجوع کرتا ہوں، اس کی گہری حکمت سے قیامت کے موضوع پر روشنی پڑنے لگتی ہے، جس کی وجہ یقیناً یہی ہے کہ قرآنِ حکیم ایک ایسے بلند ترین مقام سے نازل ہوا ہے، جہاں نہ صرف تمام اچھے اچھّے مضامین کی وحدت ہے، بلکہ وہاں کلمۂ کُنْ (ہو جا) میں تو جُملہ الفاظ کی اصل حقیقت ایک ہی ہے، پس یہ سچ ہے کہ قرآنِ عزیز میں معنوی تجلّیات ہیں۔

۱۰۔ اُمُّ الکتاب (سورۂ فاتحہ) کی سات آیات ہیں، ان میں

سے ہر آیت کے ظاہر یا باطن میں قیامت کا کوئی ذکر موجود ہے، صرف یہی نہیں بلکہ ہر آیۂ مقدسہ میں جتنے کلمات ہیں یا اس سُورہ میں کُلّ جتنے الفاظ ہیں، اتنی دفعہ قیامت کا تذکرہ ہو سکتا ہے، اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ قرآنِ حکیم کے سارے مضامین و مطالب اُمُّ الکتاب میں سمیٹے ہوئے ہیں، یہ اِس حقیقت کی ایک روشن دلیل ہے کہ حضرتِ امیر المومنین علی علیہ السّلام باطن میں اُمُّ الکتاب ہے، جس کی ذاتِ عالی صفات میں قرآنِ عزیز کی زندہ روح مجموع و محفوظ ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ (۴۳: ۴) اور وہ (قرآن)، ہمارے پاس اُمُّ الکتاب (اساس) میں ہے جو علیٌّ حکیم ہے۔

۱۱۔ آخر میں ایک عجیب و غریب حکمت درج کی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ مولا علی صلوات اللہ علیہ وسلامہ نے ارشاد فرمایا: اَنَا تَرْجُمَانُ وَحْيِ اللهِ (کوکبِ دُرّی، بابِ سوم، منقبت ۱۹) یعنی میں خدا کی وحی (قرآن) کا ترجمان ہوں۔ اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ امامِ عالیمقام نورِ مُنَزَّل ہے، لہٰذا وہ مرتبۂ باطن پر آپ کو اپنی ہی زبان میں قرآنِ پاک کی روحانی تعلیم دے سکتا ہے، اور حکمت سکھا سکتا ہے، الحمد للہ ربّ العالمین۔

نصیر الدّین نصیرؔ (حُبِّ علی) ہونزائی کراچی

اتوار ۸ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ ۸ مارچ ۱۹۹۸ء

روحانیتِ قرآن اور معجزۂ لسان

ا۔ اے برادران و خواہرانِ روحانی! کیا آپ سب نے سورۂ لقمان کی اس آیۂ مبارکہ میں خوب غور سے دیکھا ہے (۳۱: ۲۰) جس میں اللہ تعالیٰ کی اس انتہائی عظیم نوازش کا ذکر آیا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے لئے کائنات مُسخّر کر کے رکھی ہے اور اپنی تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں ان پر پوری کر دی ہیں؟ یہ آیۂ کریمہ اَلَمۡ تَرَوۡا (کیا تم نے نہیں دیکھا؟) کے جملۂ سوالیہ سے شروع ہو جاتی ہے، لہٰذا ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ عارفین و کاملین اِس امرِ واقعی کے گواہ ہیں کیونکہ انہوں نے یہ انتہائی عظیم واقعہ اپنے عالمِ شخصی ہی میں دیکھا تھا کہ خداوندِ قدّوس کائنات کو مُسخّر کر کے امامِ مُبینؑ میں رکھتا ہے اور اللہ کی تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں بھی اسی زندہ خزانے میں رکھی ہوئی ہیں، تاکہ لوگ اللہ کے اس مقدّس خزانے سے رجوع کریں جو ہر طرح سے اور ہر معنی میں ان کے پاس ہے، چونکہ آپ کو قرآن اور امامؑ دونوں سے عشق ہے، لہٰذا ان دونوں کے واحد نورِ باطن

ISW
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

سے کے دیدار و معرفت کے لئے کمر بستہ ہو جائیں۔

۲۔ قرآنِ پاک کا باطنی دیدار اور معرفت؟ وہ کیسے؟ ــــ ج: جی ہاں یہ سچ ہے کہ قرآن کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے، اور اس کے باطن کا باطن ہے، سات باطنوں تک، وہ حدیثِ شریف یہ ہے:

اِنَّ لِلقُرآنِ ظَھرًا وَّ بَطنًا وَ لِبَطنِہٖ بَطنٌ اِلٰی سَبعَۃِ اَبطُنٍ۔

لہٰذا کم سے کم روحانیت کے ساتھ مقام پر قرآن کا دیدار ہونا چاہیئے، اور یہ قرآنِ ناطق کی صورت میں ہے، کیونکہ روحانیّت اور عالمِ وحدت میں تمام حقیقتیں آپس میں مل کر ایک ہو جاتی ہیں، یہ صرف قرآن کے سات لفظی معنوں اور تاویلوں کی بات نہیں، بلکہ روحانیت میں اس کے مختلف ظہورات بھی ہیں۔

۳۔ قرآنِ حکیم میں لفظِ آیات کا اطلاق تمام حقائق و معارف پر ہو جاتا ہے، اور خدا کی خدائی کی کوئی چیز اس نام (آیت) سے مستثنیٰ نہیں ہے، جیسے آیۂ کریمہ ($\frac{27}{93}$) کا تاویلی مفہوم ہے: تم کہو، الحمد للہ (یعنی نورِ عقل خدا ہی کا ہے)، لہٰذا وہ تم کو مرتبۂ عقل پر اپنی تمام آیات دکھلائے گا، اور تم کو ان کی معرفت حاصل ہو گی۔ بہتر یہ ہے کہ میں آیاتِ کُبریٰ کی فہرست لکھنے کی گستاخی نہ کروں، صرف اتنا کہوں کہ یہ عالمِ شخصی کی بہشت کی آیات ہیں، جو انتہائی عظیم چیزیں ہیں، ان میں کتابِ مکنون بھی ہے، جس میں باکرامت قرآن ہے کہ اس کو کوئی چھو نہیں سکتا، مگر وہ لوگ جو باطن میں پاک کئے گئے ہیں (۵۶: ۷۷ - ۷۹)۔

۴۔ سُورۂ ابراہیم (۱۴/۴) میں حکمتِ قرآن کا ایک عجیب و غریب دل کُشا دریچہ ہے، آیئے ہم پہلے آیۂ کریمہ اور ترجمہ پڑھتے ہیں، اور اس کے بعد دریچۂ حکمت کی طرف جاتے ہیں، وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۔ ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں، تاکہ ان کے لئے بیان (تاویل) کرے۔ معلوم ہے کہ آنحضرتؐ کی قوم تقریبًا تمام دنیا میں ہے، جس کی بہت سی زبانیں ہیں، لہٰذا یہ ہمارا ایمان اور یقین ہے کہ اگرچہ تنزیلِ قرآن عربی میں ہے، لیکن اس کی روحانی تاویل دنیا کے ہر مسلمان کی مادری زبان میں ہے، روحانی تاویل سے قرآن کی روح و روحانیّت مراد ہے، اور یہ نکتہ یاد رہے کہ عملی تاویل روحانیّت میں ہوتی ہے۔

۵۔ اب آپ کو سُورۂ روم (۳۰/۲۲) میں چشمِ بصیرت سے دیکھنا ہوگا، اُس آیۂ شریفہ کا ترجمہ یہ ہے: اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش، اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے، یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں اہلِ علم کے لئے۔ یہ ظاہری ترجمہ بہت خوب ہے، لیکن اس کی باطنی حکمت کو بھی دیکھنا ہے، وہ اس قانونِ الٰہی کے مطابق کہ جو آیات (نشانیاں)، آفاق میں مادّی طور پر ہیں، وہ انفس میں روحانی طور پر بھی ہیں (۴۱/۵۳)، اور اسی قانون کو سورۂ ذاریات (۵۱: ۲۰-۲۱) میں بھی دیکھ لیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان جس عظیم ترین مقصد کے لئے دنیا میں بھیجا گیا ہے،

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

وہ معرفت ہے، اور معرفت باطن یعنی عالمِ شخصی میں ہے، پس اسی وجہ سے قرآنِ عزیز میں ہر جگہ ظاہر مثال ہے اور باطن ممثول۔

د۔ اس مُدلّل بیان کے بعد اب یہ بتانا آسان ہو گیا کہ عالمِ شخصی کی آیات یعنی معجزات مغزِ حکمت و معرفت سے مملو ہیں، ظاہری کائنات کی پیدائش کے بارے میں عُلمائے دین اور سائنسدانوں کے درمیان بُنیادی اختلافات پائے جاتے ہیں، جبکہ اللہ باطنی کائنات کو عارف کے سامنے بار بار پیدا کرتا رہتا ہے، تاکہ معرفت کا ہر ممکن تقاضا پُورا ہو، چونکہ عالمِ شخصی خوابیدہ ہوتا ہے، تا آنکہ اس کی ذاتی قیامت قائم ہو جاتی ہے، تب وہ بیدار ہو جاتا ہے، اب ایسے شخص کو بڑا کامیاب نامۂ اعمال دیا جاتا ہے، فرض کریں کہ ایسے لوگ ہزار ہیں، جو اسمِ اعظم کے معجزے سے جیتے جی مر کر زندہ ہو گئے ہیں، ان سب کی زبانیں الگ الگ ہیں، ان میں سے ہر شخص کا عظیم الشّان نامۂ اعمال اس کی اپنی زبان میں ہونا لازمی ہے، ایسی فصیح و بلیغ زبان کہ خداوند تعالیٰ اس میں کلام فرماتے، اس میں ترجمۂ قرآن اور اس کی تاویل ہو، اور امامِ عالیمقامؑ جو وصیّ رسولِ پاکؐ ہے، اسی زبان میں قرآنِ ناطق اور نامۂ اعمال ہو، تو اس وقت یقین کیا جائے گا کہ زبانیں خدا کی آیات (معجزات) میں سے ہیں، اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ہر زبان کا باطنی پہلو خدا کے پاس بڑا مُنظّم اور پُراز حکمت ہے۔

۷۔ انسان کا ایک ظاہری رنگ ہے اور ایک باطنی، ظاہری رنگ وہ چیز ہے، جس کو سب جانتے ہیں، مگر باطنی رنگ ایک پوشیدہ حقیقت ہے، جو صِبْغَةَ اللّٰهِ (۲/ ۱۳۸) خدا کا رنگ یعنی نور ہے، جس کا عدیم المثال حسن و جمال مسحور کُن کیوں نہ ہو، یہ نور مختلف رنگوں میں ہوتا ہے، جو علم و عبادت کی بنا پر ہے، الغرض مذکورۂ بالا نشانیاں (آیات) عُلمائے اہلِ باطن کے لئے ہیں، اور اس مضمون میں ہمارا خاص مقصد "روحانیّتِ قرآن اور معجزۂ لسان" کے بارے میں کچھ حکمتوں کو بیان کرنا ہے۔

۸۔ کتاب "کوکبِ دُرّی" باب سوم، منقبت ۳۴ میں مولا مرتضیٰ علی علیہ السّلام کا فرمانِ اقدس ہے: اَنَا الْمُتَكَلِّمُ بِكُلِّ لُغَتٍ فِي الدُّنْيَاء یعنی میں ہوں وہ شخص جو دنیا کی ہر لُغت و زبان میں کلام کرتا ہے۔ حضرتِ امامؑ کو یہ ہمہ رس و ہمہ گیر قدرت خدا کی طرف سے حاصل ہوتی ہے، اور اس کے کئی اعلیٰ مقاصد ہیں: (۱) قرآنِ حکیم سیّد الانبیا والمرسلین صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا وہ یکتا اور انتہائی عظیم معجزہ ہے، جس کی کوئی مثال نہیں، لہٰذا اس کا مُعلّم روحانی کیوں بے مثال نہ ہو (۲) فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے پاس ایک بولنے والی کتاب بھی ہے (۲۳/ ۶۲، ۴۵/ ۲۹) جب یہ کتابِ ناطق ہے تو کسی ایک زبان میں کیوں بولے، جب کہ یہ سب لوگوں کے لئے ہے، اس سے ظاہر ہے کہ امام قرآنِ ناطق ہے، جو اپنے مرتبۂ روحانیّت پر ہر زبان میں کلام کرتا ہے

(۳) کتابِ ناطق (امامؑ) نامۂ اعمال بھی ہے، جس کو ہر شخص کی زبان میں کلام کرنا ہے۔

۹۔ مولا علی علیہ السلام کا ارشادِ گرامی ہے: اَنَا وَجْهُ اللّٰهِ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ۔ یعنی میں ہوں آسمانوں اور زمین میں چہرۂ خدا، جیسے ارشادِ قرآنی ہے: چہرۂ خدا کے سوا ہر چیز ہلاک ہوجاتی ہے (۲۸/۸۸) ھزار حکمت، ح: ۹۱۷۔ ۹۲۵۔ چہرۂ خدا کے کئی معانی اور اشارے ہیں، لیکن ہم اس مضمون کی مناسبت سے "لِسانُ اللّٰہ" کی تعریف کرتے ہیں کہ مولا علیؑ خدا کی زبانِ ناطق ہے، اسی لئے وہ قرآنِ ناطق بھی ہے، اور دنیا کی ہر زبان میں کلام بھی کرتا ہے، اس سے روحانی تاویل مُراد ہے، سبحان اللہ!

۱۰۔ جب تمام لوگوں کی بولیاں اور زبانیں سُورۂ روم (۳۰/۲۲) کے ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ہیں، اور اس میں اہلِ علم کے لئے مخصوص دعوتِ فکر بھی ہے، تو دانشمندوں کو سوچنا چاہیئے کہ یہاں ضرور زبانوں سے متعلق کچھ اسرار اور عجائب و غرائب کا اشارہ موجود ہے، جبکہ آیات کے معنی ہیں: نشانیاں، علامتیں، احکامِ خداوندی، معجزات، قدرتِ خدا کے عجائب و غرائب، اور یہ حقیقت ہے کہ زبان کا باطنی اور روحانی پہلو ہر طرح سے منظّم اور ذریعۂ روحانی تعلیم کے لئے موافق ہے، دیکھیئے اور سوچیئے کہ بولنے والی

کتاب تو امامؑ ہی ہے، لیکن وہ کس زبان میں کلام کرتا ہے؟ دنیا کی ہر بولی اور ہر زبان میں، جیسا کہ سورۂ جاثیہ (۴۵/۲۹) میں ارشاد ہے: هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ = یہ ہماری کتاب ہے جو تم سے حق بات کہہ رہی ہے۔ اس میں ظاہراً یہ تذکرہ ہے کہ امامؑ جو خدا کی بولنے والی کتاب ہے، وہ لوگوں کا نامۂ اعمال بھی ہے، اور باطناً یہ اشارہ ہے کہ امامؑ اُن لوگوں سے معلّمانہ کلام کرتا ہے جو مر کر زندہ ہو گئے ہیں۔

۱۱۔ زبان کی تعریف و توصیف میں یہ قرآنی کُلّیات بھی ہیں، ہر چیز خزائنِ الٰہی سے آتی ہے (۱۵/۲۱)، ہر چیز امامِ مُبینؑ میں مخزون ہے (۳۶/۱۲)، ہر چیز ایک کتاب میں جمع ہے (۷۸/۲۹)، ہر چیز کا خالق اللہ ہے (۱۳/۱۶)، ہر چیز دو طرح سے ہے، ایک اصل ہے اور ایک سایہ (۱۶/۸۱)، ہر چیز کا وجود کلمۂ کُن (ہو جا) سے ہے (۱۶/۴۰)، ہر چیز نعمت ہے (۱۴/۳۴)، ہر چیز اعلیٰ مقام پر خوبصورت ہے (۳۲/۷)، ہر چیز علم کی غرض سے ہے (۶/۸)، ہر چیز میں رحمت ہے (۴۰/۷)، ہر چیز بہشت میں ہے (۵۰/۳۵)، ہر چیز ایک آیت ہے (۴۱/۵۳)، ہر چیز کا جوڑا ہے (۵۱/۴۹)۔

۱۲۔ یہ آپ کے لئے بڑی عجیب و غریب روحانی سائنس کی دریافت اور زبردست مفید کُلّیہ ہے، جس کے ذریعے سے آپ ہر ایسی اہم چیز کی قدر و قیمت اور منفعت کو معلوم کر سکتے ہیں، جس کا ظاہراً قرآن میں ذکر نہ ہو، اور اگر کسی چیز کا ذکر محدود ہے، تو پھر بھی

قاعدۂ ھٰذا کی مدد سے اس کے متعلّق وسیع تر معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں، چُنانچہ اس کُلّیہ کی روشنی میں یہ معلوم ہُوا کہ قرآن میں زبان کی بڑی حکیمانہ تعریفیں موجود ہیں، مثال کے طور پر اصل زبان تو روحانیّت اور جنّت میں ہے، دُنیا میں صرف اُس کا سایہ آیا ہے۔

نصیر الدّین نصیرؔ (حُبِّ علی) ھونزائی
کراچی
بدھ ۱۱؍ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ   ۱۱؍ مارچ ۱۹۹۸ء

قرآن اور رسولؐ کی قوم

۱۔ کوئی ہوشمند شخص ہرگز یہ خیال نہ کرے کہ قرآنِ عزیز کا علم وعمل آسان ہے، مگر ہاں، جب پروردگار کسی کی رہنمائی فرماتا ہے تو ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے، قرآنِ حکیم کے عظیم حقوق کی ادائیگی سے اہلِ ایمان کو باخبر رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانِ اقدس کافی ہے جو سورۂ فرقان (۲۵/۳۰) میں ہے: وَقَالَ الرَّسُولُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِی اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَهۡجُوۡرًا۔ اور پیغمبر کہیں گے کہ اے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔

۲۔ اگرچہ معلوم ہے کہ رسولؐ کی قوم میں ہم سب مسلمان شامل اور داخل ہیں، اور پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی یہ شکایت کافروں کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ مِن حیث القوم تمام مسلمانوں کے باب میں ہے، لیکن پھر بھی اس آیۂ مبارکہ کی تفسیر میں اختلاف ہے، آپ تحقیق اور معلومات کی غرض سے دیکھ سکتے ہیں۔

۳۔ قرآنِ پاک کا فارسی ترجمہ جو شاہ ولیّ اللہ مُحدِّث دھلوی نے کیا تھا، وہ کچھ سال پہلے تاج کمپنی نے چھپوا کر شائع کیا ہے، جس کے آغاز ہی میں مذکورہ آیۂ شریفہ اور اس کا ترجمہ درج کر کے مزید وضاحت کی گئی ہے، تاکہ مسلمانانِ عالم کے لئے ایک بڑے صوفی عالم کی نصیحت ہو، اور وہ بھی ایک ایسی قرآنی آیت کے حوالے سے، جس کی حقیقت کو بروقت سمجھ لینا بیحد ضروری ہے، اس وضاحت کا اُردو ترجمہ مولانا فتح محمّد جالندھری نے اپنے ترجمۂ قرآن کے حاشیے کے لئے کیا ہے، جو درجِ ذیل ہے:۔

۴۔ جناب رسالتمآب قیامت کے روز خدا سے شکایت کریں گے کہ میرے پروردگار میری قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا۔ چھوڑ دینے کی کئی صورتیں ہیں؛ اس کو نہ ماننا، اور اس پر ایمان نہ لانا بھی چھوڑ دینا ہے، اس میں غور نہ کرنا اور سوچ سمجھ کر نہ پڑھنا بھی چھوڑ دینا ہے، اس کے اوامر کا بجا نہ لانا اور منہیات سے اجتناب نہ کرنا بھی چھوڑ دینا ہے، قرآن کی پرواہ نہ کر کے دوسری چیزوں جیسے بیہودہ ناولوں، دیوانوں، لغو باتوں، کھیل تماشوں، راگ و رنگ میں مصروف ہونا بھی چھوڑ دینا ہے، افسوس ہے کہ آج کل کے مسلمان قرآن کی طرف سے نہایت غافل ہو رہے ہیں، اس کے پڑھنے سوچنے سمجھنے اور ہدایات سے مستفید ہونے کی طرف توجّہ نہیں کرتے، اور یہ کھُلم کھُلا ترکِ قرآنِ مجید ہے، خدا تعالیٰ ان کو اس طرف راغب

اوران کی تلاوت میں شاغل ہونے کی توفیق بخشے، تاکہ وہ اس پر عمل کریں اور ان کو فلاحِ کونین حاصل ہو۔

۵۔ آپ حکیم پیر ناصر خسرو (قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہ) کی شہرۂ آفاق کتاب زادُ المسافرین ص ۴۰۰ پر بھی دیکھیں، ترجمہ: ..... یہی سبب ہے کہ رسول اللہؐ اپنی اُمت کی جو شکایت دل میں رکھتے تھے، اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ عزیز میں ظاہر فرمایا۔ اس کے بعد مذکورہ آیۂ شریفہ درج ہے۔

۶۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا نور قرآن و حدیث کے علم کا شہر ہے، اور مولا علی علیہ السّلام کا نور اس شہر کا دروازہ ہے، نیز حضورِ پاکؐ کا نور قرآن و حدیث کی حکمت کا گھر ہے اور علیؑ کا نور اس گھر کا دروازہ ہے، پس یہاں گھر نور، اور در نور (نور اندر نور) ہے، یعنی نورٌ علیٰ نور (۲۴:۳۵)، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قرآنی علم و حکمت کی حقیقی اور روحانی تعلیم نورِ امامِ زمانؑ کی روشنی میں ہوتی چلی آئی ہے، یہ درسِ حکمت معمولی ہرگز نہیں، بلکہ بہت بڑی ذمہ داری کا ہے، اس لئے آیئے ہم چند حکمتی سوالات کرتے ہیں۔

۷۔ س: کیا یہ درست ہے کہ مُعلّمِ قرآن کا ایک نام نور (۵:۱۵) ہے؟ ج: جی ہاں، بالکل درست ہے۔ س: آیا حدیثِ ثقلین کا مقصد بھی یہی ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد اُمّت ہدایت

کے لئے قرآن اور نور (معلّمِ قرآن) سے رجوع کریں؟ — ج: یقیناً یہی مقصد ہے، کیونکہ حدیثِ صحیحہ کسی آیت یا چند آیات کی تفسیر ہوا کرتی ہے، چنانچہ حدیثِ ثقلین ان تمام آیاتِ کریمہ کی عملی تفسیر ہے، جن میں ہمیشہ کتابِ سماوی کے ساتھ ساتھ مُعلّمِ ربانی موجود ہونے کا ذکر ہے۔ س: حدیثِ شریف کے مطابق قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ... یہ حدیثِ شریف کس آیۂ کریمہ کے مطابق ہے؟ ج: من جملہ سورۂ شوریٰ کے آخر (۴۲/۵۲) میں دیکھ لیں، کہ قرآن باطن میں ایک زندہ روح/ ایک زندہ نور ہے، یہی قرآن کا باطن ہے، الحمد للہ ربّ العالمین۔

نصیر الدّین نصیر (حُبِّ علی) ہونزائی
کراچی
مولانا شنبہ بروزِ نوروز ۲۱، ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ
۲۱، مارچ ۱۹۹۸ء

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

مَناقِبِ علیؑ تِرمذی میں

۱۔ جامعِ ترمذی، جلدِ دُوم، ابوابُ المناقِب میں حدیثِ جاریہ کا تذکرہ ہے، جس میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا یہ ارشاد ہے: اِنَّ عَلِیًّا مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ وَھُوَ وَلِیُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ بَعْدِیْ ۔ یقیناً علی مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مومن کا ولی (سرپرست) ہے۔ اس حقیقت میں ذرّہ بھر شک نہیں کہ ہر حدیثِ صحیح جوامعُ الکلِم کے معجزات میں سے ہے، لہٰذا حضورِ پاکؐ کا یہ ارشاد کئی اعلیٰ معنوں کا حامل ہے۔

۲۔ ارشادِ نبوی کی وضاحت کے لئے ہم از خود کوئی معمولی بات کیوں کریں، قرآنِ حکیم سے رجوع کیوں نہ کریں، جبکہ حدیث کا براہِ راست تعلّق قرآن سے ہے، اور قرآنِ عظیم وہ آئینۂ معارِف نُما ہے، جس میں اہلِ بصیرت انبیا و ائمّہ علیہم السّلام کی نورانیت اور معرفت کو دیکھتے ہیں، اسی پاک لاہوتی آئینے میں دیدۂ دانش سے دیکھیں کہ آیا حضرتِ خاتم الانبیاء صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اپنی

حیاتِ طیبہ اور پاک شخصیّت میں روشن چراغ (۳۳/۴۶) نہ تھے؟ آپ یقیناً یہی کہیں گے کہ کیوں نہیں، پس ظاہر ہے کہ بحکمِ خدا بروقت ہی چراغِ نبوّت سے چراغِ امامت روشن کیا گیا تھا، یہی مثال اور اشارۂ حکمت آیۂ سراجِ مُنیر (۳۳: ۴۶) میں موجود ہے، اور یہی وجہ ہے کہ نورِ ہدایت کی تشبیہ و تمثیل آفتاب، ماہتاب اور ستاروں سے نہیں دی گئی، بلکہ گھر کے روشن چراغ سے دی گئی ہے (۲۴/۳۵، ۳۳/۴۶) تاکہ اہلِ یقین پر یہ حقیقت روشن ہو کہ ظرفِ چراغ (جامۂ جسمانی) ہر زمانے میں بدلتا ہے، مگر خدا کا نور کبھی نہیں بجھتا، اور نہ ہی کوئی اس کو بُجھا سکتا ہے (۹/۳۲، ۶۱/۸)۔

۳۔ اگرچہ مذکورۂ بالا حدیثِ شریف کے کئی مطالب ہیں، لیکن ان میں سے یہ مطلب واضح تھا، اور مزید واضح ہو گیا کہ پیغمبرِ اکرمؐ کا جانشین علیؑ ہے، اور مولا علیؑ کی شان میں جتنی احادیث روایت کی گئی ہیں، اُن سب کا خلاصہ اور لُبِّ لُباب یہی ہے کہ نورِ نبیؐ سے نورِ علیؑ کا ظہور ہوا، اور نورِ علیؑ سے سلسلۂ ائمّۂ آلِ محمدؐ جاری رہا، جیسا کہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ ۔ جس شخص کا میں مولا ہوں علی بھی اس کا مولا ہے۔ لفظِ مولا کے جتنے معنی ہیں، ان میں سے وہی معنی مُراد ہیں جو حبیبِ خدؐا کے شایانِ شان ہوں۔

۴۔ رسولِ کریمؐ کا ارشاد ہے: اَللّٰهُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ مَعَهٗ حَيْثُ

دَارَ : اے اللہ یہ (یعنی علیؑ)، جہاں کہیں بھی ہو حق اس کے ساتھ رہے۔ اِس دُنیا میں تین قسم کے لوگ رہتے ہیں، ایسے لوگ بڑی کثرت سے ہیں جو حق سے بالکل غافل ہیں، دوسری قسم میں وہ لوگ ہیں جو تلاشِ حق میں سرگرداں ہونے کے باوجود حق اُن کو نہیں مل رہا ہے، اور تیسری قسم میں وہ خوش نصیب لوگ ہیں جو علیؑ کی وجہ سے حق کے ساتھ ہیں، کہ حق کو علیؑ کے ساتھ کر دینے کا مقصد ہی یہی تھا کہ محبانِ علیؑ کی حقیقی رہنمائی ہو۔

۵۔ لَا یُحِبُّ عَلِیًّا مُنَافِقٌ وَلَا یَبْغُضُہٗ مُؤمِنٌ : آنحضرتؐ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی منافق علی سے محبّت نہیں کر سکتا، اور کوئی مومن اُس سے بغض نہیں رکھ سکتا۔

۶۔ رسولِ خداؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مجھے چار اشخاص سے محبّت کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اللہ خود بھی ان سے محبّت کرتا ہے، آپؐ سے پوچھا گیا، ہمیں بتایئے کہ وہ کون ہیں؟ آپ نے تین مرتبہ فرمایا کہ علیؑ بھی انہی میں سے ہے، اور ابوذرؓ، مِقداد، اور سلمان۔

۷۔ کَانَ عِنْدَ النَّبِیِّ صلی اللّٰہُ علیہِ وَآلِہٖ وَسلّم طَیْرٌ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ ائْتِنِیْ بِاَحَبِّ خَلْقِکَ اِلَیْکَ یَاْکُلُ مَعِیَ ھٰذَا الطَّیْرَ فَجَآءَ عَلِیٌّ فَاَکَلَ مَعَہٗ : ایک مرتبہ آنحضرتؐ کے پاس ایک پرندے کا گوشت تھا، آپؐ نے دعا کی کہ یا اللہ اپنی مخلوق

میں سے محبوب ترین شخص میرے پاس بھیج تاکہ میرے ساتھ اس پرندے کا گوشت کھاسکے، چنانچہ علیؑ آئے اور آپؐ کے ساتھ کھانا کھایا۔

۸۔ اَنَا دَارُ الْحِکْمَۃِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا۔ حضرتِ علیؑ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ قرآنِ حکیم آنحضرتؐ کے قلبِ مبارک پر نازل ہوا تھا (۲/۹۷، ۲۶/۱۹۴)، اور احادیثِ صحیحہ آپؐ ہی کے اقوال ہیں، لہٰذا قرآن اور حدیث کی زندہ روح اور تہ بہ تہ حکمتیں آپؐ ہی کے نور میں ہیں، اور ان تک رسائی علیِؑ زمان ہی کے نور سے ممکن ہے، جس کی روشنی اور رہنمائی سے راہِ معرفت مل جاتی ہے۔

۹۔ اَنْتَ مِنِّی بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے علیؑ سے فرمایا، اے علی تیرا درجہ مجھ سے ایسا ہے جیسے ہارون کا درجہ موسیٰ سے تھا، مگر یہ کہ میرے بعد پیغمبری نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ علیؑ کی معرفت کی غرض سے پہلے تو "آئینۂ قرآن برائے وزیرِ موسیٰؑ" میں دیکھنا ضروری ہے اور اس کے بعد ہی "آئینۂ قرآن برائے وزیرِ محمدؐ" کے اسرار معلوم ہو سکیں گے، مزید برآن قرآنِ عزیز میں ایسی روشن دلیلیں بھی ہیں، جن سے اہلِ ایمان کو اس حقیقت کا یقین آتا ہے کہ خداوندِ تعالیٰ انبیاء و ائمّہ علیہم السّلام کے انوار کو ہر عالمِ شخصی میں نورِ

واحد بنا کر دکھاتا ہے، جیسے ارشاد ہے: نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ (۳۵/۲۴) یعنی جہاں اللہ تعالیٰ کائناتِ لطیف کو لپیٹتا ہے، وہاں جملہ انوار کو بھی نورِ واحد بناتا ہے، اس میں صاحبانِ عقل کے لئے بہت سے لطیف و بلیغ اشارے موجود ہیں، ان شاء اللہ العزیز۔

۱۰۔ قرآن و حدیث کی روشن تعلیمات یہ بتا رہی ہیں کہ دعوتِ اسلام ایک ساتھ دو طریقوں سے کی گئی: دعوتِ ظاہر اور دعوتِ باطن، یا دعوتِ تنزیل اور دعوتِ تاویل، جس کے لئے صاحبِ تاویل کا تعارف لازمی اور ضروری تھا، بلکہ یہی خود دعوتِ باطن کا سب سے اہم حصّہ ہے، لہٰذا مولا علیؑ کی شخصیت میں نورِ امامت کی بجا طور پر بہت بڑی تعریف فرمائی گئی، تاکہ لوگ دعوتِ باطن کی طرف جان و دل سے رجوع کریں۔

۱۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے طائف کی لڑائی کے موقع پر علیؑ کو بلایا اور ان سے سرگوشی کی لوگ کہنے لگے آج آپؐ نے اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ کافی دیر تک سرگوشی کی فرمایا: مَا اَنْتَجَیْتُہٗ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ انْتَجَاہُ۔ میں نے نہیں کی بلکہ اللہ نے خود ان سے سرگوشی کی ہے۔ یہ ہے خدا و رسولؐ کی بہت بڑی نوازش اور نورِ امامت کی شان۔

۱۲۔ اَخَذَ بِیَدِ حَسَنٍ وَّ حُسَیْنٍ قَالَ مَنْ اَحَبَّنِیْ وَاَحَبَّ ھٰذَیْنِ وَاَبَاھُمَا وَاُمَّھُمَا کَانَ مَعِیَ فِیْ دَرَجَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ،

حضرتِ علیؑ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حسن اور حسین کے ہاتھ پکڑے اور فرمایا، جو مجھ سے محبّت کرے گا اور ساتھ ہی ساتھ ان دونوں اور ان کے والدین سے بھی محبت کرے گا وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا۔ سبحان اللہ! اہلِ بیتِ اطہار کی پاک و پاکیزہ محبّت کا اجر و صلہ کتنا عظیم اور اعلیٰ ہے!

۱۳۔ سورہ طٰہٰ کی آیات از ۲۵ تا ۳۶ غور سے پڑھیں، اور سورۂ فرقان (۲۵/۳۵) میں بھی دیکھیں، تاکہ آپ کو دین کا یہ قانون معلوم ہو جائے کہ ہر ناطق کے لئے ایک وزیر ہوا کرتا ہے، جیسے ان محوّلہ آیات میں وزیرِ موسیٰؑ (ھارونؑ) کا ذکر آیا ہے، چنانچہ ارشادِ رسولؐ ہے: اِنِّیْ اَقُوْلُ کَمَا قَالَ اَخِیْ مُوْسٰی اجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَھْلِیْ عَلِیًّا اَخِی اشْدُدْ بِہٖٓ اَزْرِیْ وَاَشْرِکْہُ فِیْٓ اَمْرِیْ ۔ میں اسی طرح دعا کرتا ہوں جس طرح میرے بھائی موسیٰؑ نے دعا کی تھی: اے بارِ خدا! میرے اہل سے میرے واسطے علیؑ کو وزیر بنا، جو کہ میرا بھائی ہے، میری پشت کو اس سے قوی کر، اور اس کو میرے کام میں شریک بنا۔ (کوکبِ دُرّی، بابِ دوم، اور کئی حوالہ جات)۔ پس آپ پہلے "آئینۂ قرآن برائے وزیرِ موسیٰؑ" کے مطلب کو سمجھ لیں، کہ اس میں وہ بہت بڑا قرآنی قصّہ آتا ہے جو حضرتِ موسیٰؑ اور بنی اسرائیل سے متعلق ہے، جس کے باطن میں ہر جگہ مولانا ھارونؑ ہے، اس

کے بعد آپ "آئینۂ قرآن برائے وزیرِ محمدؐ" کی طرف آئیں، جس کا تعلق پورے قرآن سے ہے، کیونکہ رسول اللہؐ صاحبِ تنزیل ہیں اور آپؐ کے وزیر (علیؑ) صاحبِ تاویل، اور اسی مذکور آئینے میں تاویل اور مؤوّل کے عظیم الشّان اسرار جھلکتے رہتے ہیں۔

۱۴۔ دُنیا کے ہر بادشاہ اور ہر حکومت کا وزیر صرف ظاہر میں کام کرتا ہے، اِس کے برعکس ہر پیغمبر کا وزیر زیادہ تر کام باطن میں کرتا رہتا ہے، اس میں گنجِ اسرارِ معرفت پنہان ہے۔

۱۵۔ حدیث کی ہر کتاب میں کم و بیش مولا علی علیہ السّلام کے عظیم الشّان مَناقِب موجود ہیں، کاش ہم ان سب کو یکجا کر کے کچھ حکمتی وضاحت کر سکتے! قرآن و حدیث میں سب کچھ ہے، مگر امتحان بڑا سخت رکھا ہوا ہے، لہٰذا مُعلّمِ ربّانی کی روحانی تعلیم و تائید بیحد ضروری ہے، جس کے بغیر حقیقی علم کا کوئی کام ممکن ہی نہیں۔

۱۶۔ اے عزیزانِ من! آپ سب کے سب حُصولِ علم کے لئے کمربستہ ہو جائیں، شب و روز علمی چیزوں کو پڑھیں اور سُنیں، اور یقین کریں کہ یہ سب سے اعلیٰ عبادت، سب سے برتر خدمت، سب سے عظیم نعمت، سب سے لازوال دولت، سب سے بڑی عزّت، اور سب سے دیرپا لذّت و شادمانی ہے، آپ باور کریں کہ عالمِ شخصی کے کوہِ طور پر خدا کی جو تجلّی ہوا کرتی ہے

وہ عقلی، علمی، اور عرفانی تجلّی ہوتی ہے، اِسی معنیٰ میں "علمی دیدار" کی اصطلاح بنی ہوئی ہے، الحمدللہ رب العالمین۔

نصیر الدّین نصیرؔ (حُبِّ علی) ہونزائی
کراچی
جمعہ ۲۷، ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ   ۲۷، مارچ ۱۹۹۸ء

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

خطیرۂ قدس کے اشارے

۱۔ خطیرۃ القدس کا تذکرہ قرآنِ حکیم میں لفظاً نہیں بلکہ معناً جگہ جگہ موجود ہے، جب اور جہاں اللہ تعالیٰ علم و حکمت کے آسمانوں اور زمین کو لپیٹ کر رکھتا ہے، تب وہاں وہ مجموعہ خطیرۂ قدس ہو جاتا ہے، دیکھئے سورۂ انبیاء (۲۱/۱۰۴) اور سورۂ زُمَر (۳۹/۶۷) درحالے کہ خدا مادّی کائنات کو فنا نہیں کرتا، یہ صرف کسی عارف کی ذاتی قیامت کا مشاہدۂ عرفانی ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہر عارف کی ذاتی اور نمائندہ قیامت میں تمام لوگوں یعنی روحوں کو پہلے عالمِ شخصی کے ابتدائی اور درمیانی درجات میں اور اس کے بعد خطیرۂ قدس میں لپیٹ کر جمع کرتا ہے، دیکھو لفظِ لفیف کو (۱۷/۱۰۴) جب یہ حقیقت ہے بلکہ معرفت ہے تو دوستانِ عزیز یقین کریں گے کہ قرآنِ کریم کے کثیر مقامات پر یہی تذکرہ موجود ہے، ہم اس کی چند مثالیں بیان کریں گے۔

۳۔ قرآنِ مقدّس میں نفسِ واحدہ کا ذکر آیا ہے، خصوصاً سورۂ

لقمان (۳۱/۲۸) میں پڑھ لیں، نفسِ واحدہ مظہرِ نفسِ کُلّی ہے تمام اہلِ زمانہ اس کے اجزاء ہیں، لہٰذا جب اس کی قیامت برپا ہو جاتی ہے تو لازماً اس کے اجزاء بھی ساتھ ہوتے ہیں، لیکن لوگوں کو اس کی کوئی خبر ہی نہیں ہوتی ہے، چنانچہ قیامت کا طوفان جو طوفانِ نوحؑ ہے، وہ حظیرۂ قدس کے جبلِ جودی تک جا کر تھم جاتا ہے (۱۱/۴۴)۔

۴۔ قرآنِ حکیم میں جو اسرارِ معرفت پنہاں ہیں، وہ صرف تائیدِ خداوندی ہی سے منکشف ہو سکتے ہیں، چُنانچہ انبیا و اولیا کی اصل معرفت انتہائی مشکل ہے، ایسی سخت مشکلات سب سے پہلے قصۂ آدمؑ میں سامنے آتی ہیں، جیسے یہ مسئلہ کہ آدم کی ظاہری اور باطنی تخلیق کس طرح ہوئی تھی؟ حضرتِ آدم علیہ السّلام کو فرشتوں نے کس مقام پر سجدہ کیا؟ ظاہر میں یا باطن میں؟ ناسوت میں یا ملکوت میں؟ عالمِ ذرّ میں یا حظیرۃ القدس میں؟ آیا یہ سجدہ ہر نبی اور ہر ولی کے لئے ہے یا یہ صرف آدمؑ کے لئے خاص تھا؟ یہ اور ان جیسے اور بھی بہت سے سوالات ہیں جن کی تحلیل بفضلِ خدا صرف اہلِ معرفت ہی کر سکتے ہیں۔

۵۔ حظیرۂ قدس (احاطۂ پاک) کائنات کی کسی ظاہری جگہ کا نام ہرگز نہیں، بلکہ یہ امامِ مُبین علیہ السلام کا وہ نورانی مرتبہ ہے جو عالمِ شخصی کی چوٹی یعنی انتہائی بلندی (جبین)، پر ظہور پذیر ہو جاتا ہے، جیسا کہ قلبِ قرآن (۳۶/۱۲)، میں ارشاد ہے: وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَٰهُ

فِیٓ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ۔ اور ہم نے ہر ہر چیز کو امامِ مُبین میں گھیر کر رکھا ہے۔ ہر چیز یعنی سب چیزوں میں عظیم اشیاء یہ ہیں: ازل، ابد، کلمۂ کُن، نور الانوار، عرش، کُرسی، قلم، لوح، عقلِ کُلّ، نفسِ کُلّ، ام الکتاب، اور خدا کی خدائی کی ہر ہر چیز کہ اس احاطۂ پاک سے کوئی شی باہر نہیں۔

۶۔ اہلِ معرفت حظیرۂ قدس کے عظیم اسرار کو جانتے ہیں، ان کے کہنے کے مطابق وہ عالمِ وحدت ہے، جو عالمِ کثرت کے برعکس ہے، جس کی مثال سورج ہے کہ اس میں روشنی کے ذرّات اور شعاعیں ایک ہیں، لیکن سورج سے باہر یہ چیزیں مُنتشر ہیں، آپ خورشیدِ انور کو ایک یا واحد یا واحدہ اور اس کے اکیلا پن کی صفت کو "وحدت" کہہ سکتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کی وحدت اس طرح سے نہیں یا یہ کہ مخلوق کی صفتِ وحدت اور صفتِ کثرت دونوں سے خدا پاک و برتر ہے، اس بیان سے میں نے "عالمِ وحدت" کی اصطلاح سے متعلق پیدا ہونے والے تشکوک کا پہلے ہی سے سدِّباب کر دیا، پس واضح رہے کہ حظیرۂ قدس عالمِ وحدت ہے، جس کی وحدت کی ایک اہم مثال یہ ہے کہ وہاں ایک ہی میں سب ہیں۔

۷۔ یہ عالمِ شخصی اور حظیرۂ قدس ہی تھا، جہاں خداوندِ پاک و برتر نے حضرتِ آدم علیہ السّلام کو علمُ الاسماء سکھایا (۲/۳۱-۳۳) اسم ایک ہی تھا، یعنی اسمِ اعظم، جس میں سارے اسماء جمع تھے، اور مُسمّٰی بھی

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

ایک ہی تھا، یعنی شخصِ اکبر، جس میں سب موجود تھے، اب یہ سوال ہے کہ فرشتے کون تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ آدمؑ کے مومنین تھے، جو ظاہر میں اشخاص اور آدم کے عالمِ شخصی میں ذرّاتِ لطیف تھے، یہاں دوسرا سوال یہ ہے کہ آدمؑ نے فرشتوں کو کس طرح اسماء سے آگاہ کیا؟ جواب ہے کہ آدم نے سُنّتِ الٰہی پر عمل کیا، وہ یہ کہ ظاہر میں اسمِ اعظم دینے کا سلسلہ جاری رکھا، اور باطن میں ذرّاتِ ارواح کی عِلمی تربیت کی۔

۸۔ وہ "واحد" جس میں سب ہیں، دنیائے ظاہر کے مقابلے میں انتہائی عجیب وغریب کیوں نہ ہو، جبکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے ہر کام کی قدرت عطا کردی ہے، پس وہ واحد ہستی قلم بھی ہے اور لوحِ محفوظ بھی، وہ عرش بھی ہے اور کُرسی بھی، وہ عقلِ کُلّ بھی ہے اور نفسِ کُلّ بھی، وہ فرشتہ بھی ہے اور بشر بھی، وہ آسمانِ عقل بھی ہے اور اس کی زمین بھی، وہ ایک بھی ہے اور دو بھی، یعنی تمام جفت جفت چیزیں بھی اس میں ہیں، وہ محمدؐ کا نور بھی ہے اور علیؑ کا نور بھی، جو نورِ واحد ہے، کیونکہ یہ عالمِ وحدت ہے جس کی وحدانیت میں ہر چیز کا جوہر موجود ہے۔

۹۔ کہا گیا ہے کہ حظیرۂ قدس جنّت ہے، یقیناً یہ حقیقت ہے مگر یہ وہ جنّت ہے جو بغرضِ معرفت نزدیک لائی گئی ہے، اس جنّت میں جتنے بھی لوگ داخل ہوجاتے ہیں وہ سب کے سب

ایک ہو کر اپنے باپ آدمؑ کی صورت پر ہو جاتے ہیں، اور آدم رحمان کی صورت پر پیدا کیا گیا تھا، یہ حقیقت وہی ہے جو کہی گئی تھی کہ ایک میں سب ہیں، پھر یہی ایک وہ ہے جس کا نام عالمِ وحدت ہے۔

۱۰۔ صراطِ مُستقیم کی منزلِ مقصود حظیرۂ قدس ہے، یہ اُن حضرات کا راستہ ہے، جن پر خدا نے انعام فرمایا ہے، اور وہ اللہ کی طرف سے انعام یافتگان یہ ہیں: پیغمبران، اساسان، امامان، اور حجتان، اور جو لوگ خدا اور رسولؐ کی اطاعت کریں وہ آج عالمِ شخصی اور حظیرۂ قدس میں اور کل بہشتِ کُلّی میں ان حضرات کے ساتھ ہوں گے، اور وہ بہترین رفیق ہیں (مفہوم آیت: ۴/۶۹)۔

۱۱۔ یہ قرآنِ عظیم ہی کی خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے خزانے ہیں (۱۵/۲۱) ان کے مظہر، نمائندہ اور رہنما خزانے دو ہیں (۱۵/۵)، ان دونوں عظیم، بے مثال اور دائمی خزانوں میں سے ایک ایسا ہے کہ وہ خود خزانہ بھی ہے اور دونوں کا خزانہ دار بھی (۱۲/۳۶) سُبحان اللہ! دین کا طریقہ کتنا مُنتظم ہے!

۱۲۔ ہر آیۂ کریمہ کی تاویل اور حکمتِ بالغہ حظیرۂ قدس میں جا کر روشن ہو جاتی ہے، ہر مثال کا ممثول وہاں ہے، ہر اشارے کا مُشارٌ الیہ اُسی اعلیٰ ترین مقام پر ہے، ہر امرِ ناممکن وہاں ممکن نظر آتا ہے، وہاں ہر عظیم چیز کا تجدّد ہوتا ہے، کوہ، کوہِ عقل، بیت اللہ اور بیت

المعمور وہاں ہیں، کنزِ مخفی وہیں سے حاصل ہو جاتا ہے، اور مرتبۂ حق الیقین بھی وہی ہے۔

۱۳۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشاد ہے: لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِھَا (مسند احمد بن حنبل، جلدِ سوم)، ترجمہ: قیامت برپا نہیں ہوگی جب تک کہ سورج اپنے مغرب سے طلوع نہ ہو جائے۔ حکمتی مفہوم: عارف کی ذاتی / نمائندہ قیامت برپا ہو جانے کا سلسلہ یا عمل وہاں تک جا کر مکمّل ہو جاتا ہے، جہاں آفتابِ نورِ عقل اپنے مغرب سے طلوع ہو جاتا ہے، اور یہ حظیرۂ قدس کا مقام ہے، اس حدیثِ شریف سے ہر عارف کی روحانی قیامت کی تصدیق ہو جاتی ہے، حظیرۂ قدس عالمِ وحدت ہے، لہٰذا وہاں ایک ہی مقدّس مقام ہے، جو آفتابِ نور کا مشرق بھی ہے اور مغرب بھی، پس خدائی میں روحانی قیامت کوئی نئی چیز نہیں ہے اور نہ ہی آفتابِ نور کا مغرب سے نکلنا کوئی نیا واقعہ ہے، جبکہ بقولِ حکیم پیر ناصر خسروؒ "اللہ کے ہاں بے پایان حشر (قیامات) ہیں"، آپ آیۂ فطرت (۳۰:۳۰) کو بھی خوب غور سے پڑھیں۔

۱۴۔ قرآنِ کریم (۸۳:۱۸-۲۱) میں دیکھیں کہ حظیرۂ قدس کا ایک رفیع الشّان نام عِلّیّین ہے، جس کے معنی ہیں: عالی مرتبت لوگ، یعنی انبیا وائمّہ علیہم السّلام کی وحدت کا مقام، یہ مرتبہ ان حضرات کا انتہائی عظیم مجموعی نامۂ اعمال بھی ہے (کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ) جس میں نیکوکاروں

(ابرار) کا نامۂ اعمال داخل کیا جاتا ہے، اس میں حکمت اور بہانۂ رحمت یہ ہے کہ آپ کو فنا فی الامامؑ اور فنا فی الرّسول کا درجہ دے کر کتابِ مرقوم (علیّین) عطا کی جائے، کیونکہ بہشت متّقین کو جنّت الاعمال کے معنی میں دی جاتی ہے۔

۱۵۔ میرا یہ بُروشسکی شعر حظیرۂ قدس کی شان میں ہے؛ اُیُم دِشَنُ ئیذَ با ایلے بِسس اُیُون ببربان + ازلے بیبم جُوَن ابدے ببرمُبٹ اُیَم۔ میں نے ایک بہت بڑا بلند مقام دیکھا ہے، جہاں لوگ سب کے سب ایک جیسا مرتبہ رکھتے ہیں، ہاں جس طرح وہ ازل میں ایک اور یکسان تھے، اسی طرح ان کی ابدی یکسانیت بھی ازبس شیرین ہے، اور آخر میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حضرت مولانا امام سلطان محمد شاہ صلوٰت اللہ علیہ وسلامہ نے جو مونوریالٹی (یک حقیقت) کا انقلابی تصوّر دیا ہے، اس کی روشن دلیلیں اور یقینی شہادتیں حظیرۂ قدس کی آیات سے ملتی ہیں، الحمد للہ ربّ العالمین۔

نصیر الدّین نصیر (حبِّ علیؑ) ہونزائی
کراچی

ہفتہ ۱۳؍ ذوالحجّہ ۱۴۱۸ھ ۱۱؍ اپریل ۱۹۹۸ء

Table of Contents

علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی

قرآن کی باطنی تشریح سے متعلق تقریباً سو سے زائد کتابوں کے مصنف ہونے کے علاوہ شاعر بھی ہیں۔ اپنی مادری زبان بروشسکی، جو دنیا کی ایک منفرد زبان ہے، کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر ہونے کی وجہ سے بابائے بروشسکی کے نام سے مشہور ہیں آپ اُردو، ترکی اور فارسی میں بھی شاعری کرتے ہیں، سینیئر یونیورسٹی امریکہ اور کینیڈا نے روحانی سائنس کے لئے آپ کی خدمات کے اعتراف میں آپ کو اعزازی ڈاکٹریٹ کی سند عنایت کی ہے اور آپ اسی یونیورسٹی کے ممتاز سینیئر پروفیسر بھی ہیں، آپ کی مشہور تصانیف میں "کتاب العلاج"، "میزان الحقائق" "دُعا مغزِ عبادت"، "روح کیا ہے" اور "امام شناسی" وغیرہ شامل ہیں علاوہ ازین آپ ہائیڈل برگ یونیورسٹی سے شائع شدہ جرمن بروشسکی ڈکشنری اور کیلگری یونیورسٹی سے شائع شدہ کتاب "ھونزہ پرورِبز" کے ہمکار مصنف بھی ہیں۔